

خوشبوئے بہاراں

(تاثراتی مضامین کا مجموعہ)

خوشبوئے بہاراں در زنداں پہ کھڑی ہے
میں ہوں کہ مرے پاؤں میں زنجیر پڑی ہے

صلاح الدین نیئر

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

تاریخ و سن اشاعت	:	۱۵ جون ۲۰۰۱ء
تعداد صفحات	:	۱۹۶
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
قیمت	:	۱۰۰ روپے
کتابت	:	سید انور احمد
طباعت	:	اعجاز پرنٹنگ پریس چھترہ یاں
ناشر	:	حیدر آباد ۲۰۰۰۵ صلاح الدین نیٹر

ملنے کے پتے

- سیاست سبیل کاؤنٹر - جواہر لال نہرو روڈ - حیدر آباد ع
- حوامی بک ڈپو - بھلی کمان پیٹھر گٹی - حیدر آباد ع
- مصنف - کھٹان - ۸۲۴/۲ - ۱۱-۳۰ - اے بی حیدر آباد ع

ترتیب و ترتیب

مصنف

خوشبوئے بہاراں

مضامین :

۱۲ ڈاکٹر سید عبدالمنان۔ ہمدردیجا۔ قابل احترام شخصیت، ابرو تہذیب
نواب شاہ عالم خان۔ عطر بیز فضاؤں میں بھگنے والی حیدر آبادی

۱۸ تہذیب کی تائیدہ شخصیت —

سید یاشم علی اختر۔ نامور دانشور۔ صاحبِ قسط و کم۔ بہترین اڈمنسٹریٹر

۵۳ ولی قادری۔ ولی صفت اکم بامعنی۔ بے مثال تجربہ اور وضع دار شخصیت

۶۱ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ۔ خوش مزاج ادیب۔ باکردار انسان

۶۸ ڈاکٹر زینت ساحدہ۔ قابل ترین استانی۔ صاحبِ طرز نامور ادیبہ

۷۷ ڈاکٹر سی نارائن ریڈی سنارے۔ جامعہ عثمانیہ کے لائق سپوت

۸۷ پروفیسر جعفر نظام۔ فرشتہ صفت۔ نیک انسان

۹۳ ایم باگاریڈی۔ کامیاب سیاستداں۔ اردو کے پرستار

کنول پرشاد کنول گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار اردو ہندی کے ناموشاء

۱۱۲ پروفیسر منشی تنیسیم۔ فکر و آگہی کے روشن چراغ

زاہد علی خان۔ ٹریکون، باصلاحیت ذہین و دانشور صحافی

خیل الرحمن۔ دانشور ریسی رہنما۔ ہندو شہری ادب نواز، محبِ اردو

پروفیسر افضل محمد ہونہار فرزند جامعہ عثمانیہ، نامور دانشور، ماہرِ تعلیم

- آصف پاشاہ - اعتدال پسند سیاسی قائد - نفیس آدمی ۱۵۳
 - ڈاکٹر مشیام سندریپشاد بھارت نواز ماہر امراض خیم اور نامور سہری ۱۶۰
 - ڈاکٹر ذررت رسول خان ذہین و فطین باصلاحیت ماہر تعلیم ۱۶۷
 - شرمی روڈ امتری - حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ باوقار خاتون ۱۷۷
 - ڈاکٹر موہن لعل نگم سالار جنگ مہوزیم کے تزیین کار شاعر و ادیب ۸۳
 - نجل حسین - تہذیبی سیفر - وضع دار شخصیت ۸۹
- ۱۹۶

انتساب

حیدر آبادی تہذیب کی وضع دار شفاق آئینہ صفت
 نمائندہ شخصیت نواب شاہ عالم خان صاحب کے نام
 جن کی خوشبو انسانی رشتوں کے تمام گواہوں کو ہمارا ہی ہے

صلاح الدین نیسر

خوشبوئے بہاراں

حیدرآباد کی بہ قیدِ حیات نمائندہ شخصیتوں میں بے شمار ایسے خواتین و حضرات بھی شامل ہیں جن کے کارنامے حیدرآباد کی علمی و ادبی، تعلیمی و صحافتی، تہذیبی و ثقافتی تاریخ میں ہمیشہ محفوظ رہیں گے کوئی ایک شعبہ زندگی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس میں اہم شخصیتیں موجود نہ ہوں۔ لیکن میں نے خوشبوئے بہاراں حصہ اول کے لئے ترجیحاً ۲۰ ایسی شخصیتوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے منتخب کیا ہے جنہیں میں نے اپنی شعری و ادبی، صحافتی و تہذیبی زندگی میں دوسروں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی تحسین کیا ہے اور یہ ایسی شخصیتیں ہیں جنہوں نے اپنے اپنے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں ڈاکٹر سید عبدالمنان، نواب شاہ عالم خان، سید ہاشم علی اختر، ولی قادری، ڈاکٹر راج بہادر گور، ڈاکٹر زینت ساجدہ، ڈاکٹر نارائن ریڈی، پروفیسر جعفر نظام، ایم ہانگار ریڈی، کنول پرشاد کنول، پروفیسر منشی تبسم زاہد علی خان، غیبیل الرحمن، پروفیسر افضل محمد آصف پاشا، ڈاکٹر شبامندر پرشاد، ڈاکٹر وزارت رسول خان، شہزادہ منجی روڈ امستری، ڈاکٹر موہن لعل سنگھ اور نجل حسین۔

ان نمائندہ شخصیتوں کے علاوہ ۱۲۵ اور نامور شخصیتیں ہیں جن پر

میں نے مضافین لکھے ہیں جو خوشبوئے بہاراں (حصہ دوم) میں شامل رہیں گے۔

”اوراق ماضی کے زیر عنوان بھی ہیں ۲۰ دانشوران شہرِ ادب پر مضافین لکھ چکا ہوں جن کے اسم گرامی یہ ہیں ڈاکٹر سید محی الدین قادری آرڈر، پروفیسر حبیب الرحمن، پروفیسر عبدالقادر سردری، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد رائے جالکی پیر شاہ، پروفیسر سید محمد، جناب بدلی خان، جناب محبوب حسین جگر، ڈاکٹر حسینی شاہد، علامہ حیرت بدایونی، حضرت قدس سرہی، مخدوم محی الدین، شاہد صدیقی، سعید شیدی، خورشید احمد جانی، اوج بیوقوفی، امیر احمد خسرو، خیرات ندیم، سلمان اریب اور شاہ تمکنت، انشاء اللہ بہت جلد یہ مضافین بھی کتابی شکل میں منظر عام پر آجائیں گے۔ میں نے اپنی ادبی زندگی میں مختصر اور طویل ناول، از ایک سو مضافین، تعارفی خاکے، انشائے انٹر ویوز اور تبصرے لکھے ہیں جو مختلف اخباروں اور رسائل میں شائع ہو چکے ہیں اور بعض مضافین میری کتابوں سلسلہ پھولوں کا (۱۹۹۲)، جعفر دہی پر چھاپائیاں (۱۹۹۳) اور کیمکٹاں (۱۹۹۶) میں شامل ہیں جن کی تفصیل علاحدہ پیش ہے۔ ان کے علاوہ میری وہ تمام نثریں جو میری فائل میں ہیں اگر حالاً ساتھ دینا ناہئیں بھی کتابی شکل دی جائے گی۔ نا حال میری اور مجھ سے متعلق حسب ذیل ۲ کتابیں شائع ہو چکی ہیں مجموعہ کلام :- محفلِ تازہ (۱۹۶۵) زخموں کے گلاب (۱۹۷۳)، عہم تراش (۱۹۷۸) شکن در شکن (۱۹۷۹) خوشبو کا سفر (۱۹۸۳)

رشتوں کی ہیک (۱۹۸۶ء) سفر جاری ہے (۱۹۸۸ء) یہ کیا رشتہ ہے
 (۱۹۹۰ء) کیا کیا جاوے (۱۹۹۴ء) گلشن (۱۹۹۹ء) بیلیم زرفشاں (۲۰۰۰ء)
نثری مطبوعات : سلسلہ چھوٹوں کا (خودنوشت سوانح)
 (۱۹۹۲ء) پیمروی پر چھائیاں (مضامین، خاکے، سفرنامے) (۱۹۹۳ء)
 قافلے یادوں کے (المیہ تحریریں) (۱۹۹۳ء) کہکشاں (۱۹۹۶ء)
 سائبان (محبوبین جگر) (۱۹۹۸ء) خوشبوئے بہاراں جمعہ اول (۲۰۰۱ء)
تالیف : عظمت عبدالغیوم فن اور شخصیت (۱۹۸۸ء)
 عظمت خیابان (عظمت عبدالغیوم کے مضامین، افسانے، شاعری) (۱۹۸۹ء)
 فیضانِ رسول (۱۹۹۵ء) صالحہ الطاف فن اور شخصیت (۲۰۰۱ء)
 صلاح الدین نیر سے متعلق کتابیں : قافلہ چلتا رہے گا (صلاح الدین
 نیر فن اور شخصیت) (۱۹۹۲ء) از صالحہ الطاف / ڈاکٹر صاحبہ سعید
 نیر گیتا لو (۱۹۶۵ء) نکل تارہ کی منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ۔ مترجم
 شمس الدین محمودی (دکھم) تزئین کار۔ میرا صل موریا۔ صلاح الدین نیر
 فن اور شخصیت (۱۹۹۴ء)

۵۰ سے زیادہ کتابیں بالراست میری نگرانی میں شائع ہوئیں۔

۲۵ اور شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کے دیباچے اور مضامین لکھ چکا
 ہوں جو شائع شدنی ہیں۔

۱۹۶۴ء تا ۱۹۶۶ء روزنامہ سیارت میں محمد قلی قطب شاہ سے لے کر
 رئیس خترنگ میری ۱۲۴ تحریریں تعارفی نوٹ اور منتخب کلام کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں

اگر وہ تحویریں بھی شائع ہو جائیں تو ایک ضخیم کتاب ہو سکتی ہے اس کے علاوہ
میں نے ساریت میں مختلف اصناف سخن پر مختصر نوٹ کے ساتھ متعلقہ شعرا
کلام شائع کیا ہے خوشبو کا سفر کے منتخب ادارے بھی کتابی شکل کے لئے ترتیب
پا چکے ہیں یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہو گا کہ خوشبو کا سفر کلاہ اربوں پر
ایک ضخیم کتاب میرے نادیدہ مداح ممتاز بزرگ دانشور محمد توفیق خان
(سرورِ پنجاب) نے لکھی ہے یہ کتاب بھی کسی مناسب وقت پر شائع ہو
میری تشریحی تخلیقات میں ممتاز صحافی محبوب حسین جگر کی صحافی خدمات پر بھی ہوا
کتاب سائبان (۱۹۹۸ء) بھی شامل ہے جو ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کے ذریعہ
میں نے جناب محبوب حسین جگر کے ساتھ ساتھ جناب بد علی خان اور روزنامہ سبیت
کو بھی خراج پیش کیا ہے خوشبو کے پہاراں میں جن شخصیتوں پر میں نے مضامین
لکھے ہیں ان میں سے ہر شخصیت اتنی جامع ہے کہ ہر ایک پر مکمل کتاب لکھی
جاسکتی ہے میں نے اپنی حیثیت کے مطابق ان شخصیتوں پر خامہ فرسائی کی ہے
دراصل میں اپنے کرم فرماؤں کو خراج پیش کرنا چاہتا تھا جموں نے میری
شاعرانہ و ادیبانہ زندگی کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ وہ مجھ پر ہریان پور
مجھے یقین ہے کہ علی و ادبی تہذیبی و صحافتی حلقے میری اس کوشش
بھی بہ نظر استحسان دیکھیں گے اور ہمیشہ کی طرح میری حوصلہ افزائی کریں۔

صلاح الدین نیئر

کہکشاں : ۸۲۴/۷-۲-۱۱

مدیدیلے پٹی حیدر آباد ۱۰۰۰۰۵ اے پی

کتابوں میں شائع شدہ مضامین

”سلسلہ پھولوں کا“ ۱۹۹۲ء

رشتوں کی مہکت :

عظمت عبدالقیوم، صالحہ الطاف، ڈاکٹر صابرہ سید، فاطمہ نسreen، انجم قمر سوز
انیس قیوم فیاض، مظفر انارناز، ضعیفہ قادری، کوتیا کرن
اعلیٰ عہدہ داران سکریٹریٹ :

یس لے قادری بھارت چند کھنہ، سید ہاشم علی اختر، غلام احمد، خالد انصاری
غلام دستگیر قریشی، نریندر پوتھر، یس لے واسح، محمد تاج الدین، بی این واگھرے
یس لے عزیز، صادق احمد، سید تراب الحسن، زمین راؤ، خواجہ حمید الدین،
عبدالمحمود، رشید قریشی، بشرا احمد، سعید حسین سعد، لے کے گونل، ونیکٹ ریڈنا چاری
علی، ادبی و تہذیبی ادارے :

ادارہ ادبیات اردو، اردو ادورنیل کالج، اردو فیڈرل (۱۹۵۹) یوم محمد قلی
قطب شاہ، اردو مجلس، روزنامہ سیاست، نظام گزٹ، ماہنامہ خاتون دکن
بزم سعدی، ادارہ اتحاد الشعراء، بزم جیون، ادبی ٹرسٹ، ادارہ شعرو حکمت
زندہ دلاں حیدر آباد، سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن، محفل خوانین

شکرجی مشاعرے، انجمن ترقی پسند مصنفین، دیارِ ادب، جشنِ گو لکندہ
سوسائٹی، مشاعرہ دکن، اولڈ سٹی فیلڈ، میرا شہر میرے لوگ
ہندی ایک ڈیجی، المدینہ کالج آف ایجوکیشن

پھر وہی پرچھائیاں ۱۹۹۳ء

سفر نامہ

دیارِ نبی میں دو ہفتہ، جدہ میں ۸ دن، کویت میں ۳ دن
شخصیات اور تائثراتی خلکے

ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، ناصر کرنوٹی رحمان جانی
ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، نہپال سنگھ درما، اکمل حیدر آبادی، ڈاکٹر طیب انصاری
عسیر بھارتی

سمکتا بولوں پر تبصرے

اس ہنگ شعری، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد، افکار، پروفیسر آزاد گلانی، روشن
لکیر، ڈاکٹر صادق نقوی، ذائقہ میرے لہو کا، تقسیم فاروقی، افکارِ شوق
شوقِ الہ آبادی، جھیل کنائے، تنہا چاند، یوگینڈا ریل ٹرین، ادراقی
ماضی، چند پرکشش جوہر، روشنی اور خوشبو، حیاتِ وارثی، شجرِ صدا، سرسبز شجر
کہکشاں ۱۹۹۶ء

فیضانِ رسول جاری ہے، راج بھون، گورنر آف مہاراشٹر، کرشن نات
محفلِ خوانین اور عظمتِ عبدالقیوم، سکریٹریٹ، اردواسوی ایشن، میرا شہر

میرے لوگ، حیدرآباد میں انجمن ترقی پسند مصنفین، فیضانِ رسول،
ڈاکٹر علی احمد جلیلی، مسوہر محل بہار، مومن خان شوق، وقار ریاض

اپنی بات

گلی تادہ، زخموں کے گلاب، صنم تراش، خوشبو کا سفر، شکن در شکن
رشتوں کی نہک، سحر جادو ہے، یہ کیا رشتہ ہے، کیا گیا جائے
سلسلہ پھولوں کا، پھرو ہی پر چھائیاں، قافلے یادوں کے، عظمت
عبد القیوم فن اور شخصیت، عظمتِ خیاباں، فیضانِ رسول، گلشنِ
کہکشاں، سلیم درنشاں، عالمِ اطراف فن اور شخصیت، خوشبو سے بہاراں

شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کے لئے مضامین

ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، رئیس اختر، خالد علی تنویر، بشیر امجد، قاضی
انجم عارفی، پرو فیہر لطیف احمد سجانی، عبدالرحیم آرزو، محبوب کوثر
عزیز انصاری، شاعلی ادیب، وجہ مرزا، مومن خان شوق،
یوسف بکیتا، عزیز بھارتی، محبوب جاتی، باسط نقوی،
امبا جی راؤ شاد، انیس عابد لطفی، رحیم رامش، ٹھہر یا پار، منظرِ ان
ناز، ریحانہ بیگم۔

ڈاکٹر سید عبدالمتان

ہمدرد مسیحا، قابل احترام شخصیت، اُس بڑے تہذیب دکن

بعض شخصیتیں کچھ ایسی جامع الصفات، لائق تعظیم و تکریم اور اعلیٰ خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں کہ جن کی زندگی کا ہر پہلو تنویرِ صلیح صادق کی طرح معاشرہ کے ہر اس گوشہ تا بندہ کو مزید پر نور بنادیتا ہے جو انسانی و تہذیبی رشتوں کے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسی شخصیتیں جو اعلیٰ اقدار کو اپنے دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں مثبت قدروں کی نثر جمانی و پاسداری کرتی ہیں دوسروں کی بہتری و بھلائی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کردیتی ہیں حاجت مند لوگوں کے لئے اپنی مسجائی سے سرفراز کرتی ہیں اور اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے بے لوث خدمات انجام دیتی ہیں وہ ہر دور میں قدردانِ منزلت کی غمخواروں سے رنجی جاتی ہیں اور دیکھی جاتی رہیں گی اس طرح کی نبض شناس شرافت پسند، محبت نواز شخصیتوں کا ایک ایک پلِ روشنی کی کرم فرما بیوں کی طرح اپنا منصب ادا کرتا رہتا ہے یہ اور اس طرح کی بے شمار صلح

روایات کے نگہبانوں اور حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیتوں میں ممتاز عثمانی ڈاکٹر سید عبدالمنان بھی ہیں جو اپنی بلند نگاہی اور اعلیٰ ظرفی سے معاشرہ کے ہر گوشہ کو دیکھ رہے ہیں۔

محترم المقام ڈاکٹر سید عبدالمنان سے میں ایک مسیحا اور ایک ادب دوست شخصیت کی حیثیت سے تقریباً ۴۰ سال سے واقف ہوں۔ حیدر آباد کے مسلم ڈاکٹروں میں تین نام میرے دل و دماغ پر شفاف آئینہ کی طرح جلوہ افروز ہیں۔ میری پسند کے وہ تین ڈاکٹر، ڈاکٹر سید عبدالمنان، ڈاکٹر حیدر خان اور ڈاکٹر مجید خان ہیں۔

۱۹۵۹ء کی بات ہے کہ جب میں اخبار ریاست سے وابستہ ہوا تو اُس وقت میں اردو اور انٹیل کانج میں بی او ایل کا طالب علم تھا جہاں کے تعلیمی و تہذیبی علمی و ادبی ماحول نے مجھے انجمن ترقی اردو اور اردو مجلس کی سرگرمیوں سے بھی متاثر کیا تھا۔ اُن دنوں ڈاکٹر سید عبدالمنان کا نام نہ صرف ایک اعلیٰ مرتبت ڈاکٹر کی حیثیت سے ہی نمایاں تھا بلکہ اردو کے ایک اہم خدمت گزار اور محب اردو کی حیثیت سے بھی وہ اپنے وجود کا احساس دلا رہے تھے۔ وہ میری ابتدائی شاعری کا زمانہ تھا ڈاکٹر صاحب اُس زمانے میں شہر کے بڑے معیاری اور نمائندہ شعروں میں شرکت فرمایا کرتے تھے ڈاکٹر صاحب کو اردو ادب، خاص طور پر اردو شعری ادب سے گہری وابستگی ہے بالخصوص ان بھرتے ہوئے نئے شاعروں کی حوصلہ افزائی میں وہ پیش پیش رہتے ہیں

ڈاکٹر صاحب کا اس طرح کا مزاج انہیں ہی سے ہے۔ ۲۵، ۳۰ سال پہلے تک شہر کی اعلیٰ سوسائٹی کی بعض نمائندہ شخصیتوں کی رہائش گاہوں پر بیڑے ہی اہتمام سے مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ میں اکثر و بیشتر ان مشاعروں میں نہ صرف شاعر کی حیثیت سے بلکہ معتمدِ شاعرہ کی حیثیت سے بھی شریک رہتا تھا۔ مجھے اس وقت ماہرِ اقابلیات ڈاکٹر رحیم الدین کمال کے بنجارہ ہل کے نو تعمیر شدہ عالیشان مکان میں منعقدہ مشاعرہ کی یاد آرہی ہے جس میں شہر کے نہایت ہی باوقو خواتین و حضرات نے شرکت کی تھی مشائیہ کے بعد مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا ان دنوں ہندوستان کے شمالی مشرقی علاقوں پر چین نے حملہ کیا تھا بریگیڈیر سعید محمد جگ کسی نامعلوم مقام پر پھنسے ہوئے تھے جن کا کوئی پتہ نہ چیلنے کی وجہ سے خاص طور پر ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید اور ان کے متعلقین بے حد پریشان تھے اس محفلِ شاعرہ میں جناب سعید شام علی اختر صاحب بھی موجود تھے جو اس زمانے میں حکومتِ آندھرا پردیش کے جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ میں ڈپٹی سکریٹری پولیٹیکل تھے دورانِ مشاعرہ کئی اہم فون ریسپونڈ کرتے رہے لیکن مشاعرہ میں غلغلہ بپڑنے نہیں دیا۔ محفلِ شاعرہ جاری رہا وہ اعلیٰ درجہ کا حیدرآبادی تہذیب و روایات کا نمائندہ مشاعرہ تھا اس مشاعرہ میں شہر کے مخصوص مگر منتخب شاعروں نے کلامِ نسیا تھا حضرت سعید شہیدی کنول پیرشاہ کنول، رئیس ختر اور ناصر گرنولی بھی مدعو تھے خاتون شعراء میں عظمت عبدالغفور اور ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید نے شرکت کی تھی

ڈاکٹر مسید عبدالمنان ادارۃ ادبیات اردو (الوان اردو) کے اکثر
 مشاعروں میں جبکہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور بہ قید حیات تھے
 شرکت کیا کرتے تھے انجمن ترقی اردو کے تمام اہم اور قابل ذکر ادبی و
 شعری تقاریب میں لازماً شریک رہتے ہیں مولوی حبیب الرحمن صد
 انجمن ترقی اردو تھے ڈاکٹر مسید عبدالمنان نائب صدر اور جناب
 عابد علیخان معتمد انجمن تھے مولوی حبیب الرحمن اور جناب عابد علی خان کی
 راست نگرانی میں انجمن کے زیر اہتمام علمی و ادبی تقاریب منعقد ہوا کرتی
 تھیں ڈاکٹر حبیبی شاہد سکریٹری انجمن و پرنسپل اردو کالج اور
 سر سید اس لاہوری شریک معتمد انجمن بھی اہم حصہ ادا کرتے تھے ڈاکٹر
 صاحب کا شعری ذوق نہایت نکھر اٹھا ہے اچھے اشعار پر کھل کر
 داد دیتے ہیں جناب عابد علی خان کی رہائش گاہ عابد منزل (واقعہ لکھنؤ کاپل)
 میں منعقد ہونے والی محفل مشاعرہ اور محفل موسیقی میں شریک رہتے
 تھے عابد علی خان صاحب کے دولت خانہ پر منتخب اعلیٰ و معیاری
 محفلیں ہوتی تھیں پرنسپل عثمائیہ کے بعد محفل آراستہ کی جاتی تھی۔
 فیض احمد فیض، محمد روح سلطانی پوری، خاں بارہ بنکوی، علی سردار جعفری
 نے بھی شرکت کی ہے ان کے علاوہ ریاستی حکومت اور حکومت ہند کے
 بعض وزراء اور اعلیٰ عہدہ دار بھی شریک محفل رہتے تھے۔ مشاعرہ
 ہوتا۔ محفل موسیقی ہوتی، سر سید احمد خان وارتی اور شکیلہ بانو
 بھوپالی کی قوالی ہوتی۔ شکر اباٹ اور جمیلہ بانو کی غزل سرائی ہوتی۔

اُردو زبان و ادب سے بے پناہ دلچسپی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو شہر کے بعض بڑے اور معیاری علمی و ادبی اداروں، انجمنوں کے سربراہ اور ایک اہم رکن کی حیثیت حاصل ہے انجمن ترقی اُردو، ادبی ٹرسٹ اُردو آرٹس کالج، اُردو اور بینل کالج کے صدر ہیں۔ ادارہ میرا شہر میرے لوگ، ابوان پرنس معظّم جاہ شیح اور ایہنامہ "خوشبو کا سفر" کے سرپرست ہیں جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نوجوان شاعروں کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش رہتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۷۶ء میں کنگ کوٹھی کے احاطہ میں کل ہند مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام عظیم الشان میلانے پر مشاعرہ منعقد ہوا تھا اس مشاعرہ میں دلپ کما صاحب نے خاص طور پر شرکت کی تھی ڈاکٹر صاحب اس مشاعرہ کے روح رواں تھے اور جناب شاذ تمکنت معتمد مشاعرہ۔ اُس مشاعرہ میں شرکت کرنے اور کلام سُنانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے مجھے بھی بطور خاص خط لکھ کر مدعو کیا تھا (ڈاکٹر صاحب کی وہ تحریر آج بھی میرے پاس محفوظ ہے) اس مشاعرہ میں شہر کے تقریباً تمام نامندہ شاعروں حضرت سجد شہیدی کنول پیر شا کنول، شاذ تمکنت، خیرات ندیم، امیر احمد خسرو کے علاوہ نوجوان نامندہ شاعروں میں رئیس اختر اور نامہ کرنولی بھی مدعو تھے وہ مشاعرہ ایک تاریخی و یادگار مشاعرہ تھا جس میں ہزاروں شائقین شہر و ادب اور پستارانِ دلپ کمار نے شرکت کی تھی اس مشاعرہ کے انعقاد کا سہرا ڈاکٹر صاحب کے سر جاتا ہے مشاعرے کا انعقاد کے سلسلے میں صد کل ہند

مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی جناب آصف پاشاہ ریاستی وزیر قانون کی
دلچسپی کبھی شائل تھی۔

ڈاکٹر صاحب شاعروں، ادیبوں، صحافیوں، گلوکاروں کے علاوہ
اُن تمام محبانِ اردو سے بھی محبت رکھتے ہیں جو اپنی زبان اور تہذیب
سے وابہانہ وابستگی رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے کلینک کا دروازہ ہر
اُس شاعر و ادیب و صحافی و گلوکار کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا ہے جو
ڈاکٹر صاحب کی مسیحا سے متاثر ہے دوسروں کے مقابلے میں اہل قلم
حضرات کی پذیرائی کو ڈاکٹر صاحب اولیت دیتے ہیں نہ صرف مرض کی
تشخیص ہی کرتے ہیں بلکہ اپنے پاس سے دوائیاں بھی دیتے ہیں۔ میں
پنجاب کی بھی سفارش کرتا ہوں وہ ڈاکٹر صاحب کی چشمِ کرم سے فیض یاب
ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بھوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے
پیش آتے ہیں خود مجھے بھی ۲، ۳ بار ڈاکٹر صاحب کے زیرِ علاج رہنا پڑا۔
ڈاکٹر صاحب ایک مہربان ڈاکٹر کی طرح میری بہترین صحت کے منتہی رہا
کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس قدر بامروت انسان ہیں کہ اُن کے ہاں
”نہیں“ کا لفظ ہی نہیں۔ جب بھی میں فون پر گفتگو کرتے ہوئے
اُن سے ملاقات کی خواہش کرتا ہوں تو فرماتے ہیں ضرور آئیے۔ ایک
کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے جہاں اُن کی خدمت خلاق، اُجالوں کی
بشارت دیتی ہے وہیں اردو زبان و ادب کے لئے بھی اُن کی خدمات
قابلِ رشک و نامقِ تمسین ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ خواہش رہتی ہے کہ

اردو زبان و ادب کا کام جہاں کہیں بھی مثبت انداز میں ہو رہا ہے جاری رہنا چاہیئے۔ میری خواہش پر ڈاکٹر صاحب نے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی سرپرستی قبول کی۔ ڈاکٹر صاحب ایوانِ پرنس معظّم جاہِ شہجیہ کی محفّوں اور ماہنامہ خوشبو کا سفر کی مقبولیت پر خوش ہیں اور بہتر کامزدگی کو سراہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب قیامِ ادبی ٹرسٹ (۱۹۶۶ء) سے ہی ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی ہیں ادھر کچھ برسوں سے وہ ادبی ٹرسٹ کے صدر نشین ہیں یہ بات مجھے ہمیشہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ علمی و ادبی انجمنوں میں مناسبت و موزونیت کے اعتبار سے ہی مناسب شخصیتوں کو مناسب عہدوں پر فائز کیا جانا ہے۔ ہر سال، دو سال، تین سال کے بعد انتخابات کے طریقہ کار سے زیادہ بہتر ہے کہ نامزدگی کے طریقہ کار کو اپنایا جائے ورنہ ارکان کا ۲، ۲، ۳، ۳ گروپس میں بٹ جانے کا امکان رہتا ہے ادبی ٹرسٹ کے پہلے صدر نواب مہدی نواز جنگ تھے ان کے انتقال کے بعد جناب ایل این گپتا صدر بنے۔ ان کے بعد جناب محمد علی عباسی صدر نشین رہے۔ محمد علی عباسی کے دور میں بھی ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیاں محمد کے ساتھ جاری رہیں۔ ان کے بعد ڈاکٹر سید عبدالمنان کو صدر نشین کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ جناب عابد علی خان مدیر سیاست ادبی ٹرسٹ کے فونڈر ٹرسٹی تھے تاحیات اس عہدہ پر فائز رہے عابد علی خان صاحب کے انتقال کے بعد جناب زاہد علی خان ٹرسٹی کو مینجنگ ٹرسٹی

کی حیثیت سے نامزد کیا گیا۔ جناب زاہد علی خان نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں راقم الحروف (صلاح الدین پترا قیام ادبی ٹرسٹ یعنی ۵۳ سال سے جناب عابد علی خان کی خواہش پر انچارج ادبی ٹرسٹ کی حیثیت سے اعزازی طور پر خدمات انجام دے رہا ہے اس وقت جناب عابد علی خان صاحب نے جناب محبوب حسین جگر کی موجودگی میں فرمایا تھا۔ ”نیت سر میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم ادبی ٹرسٹ کے کاموں میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔ تم کو بلا معاوضہ (اعزازی طور پر) ٹرسٹ کا کام کرنا ہوگا کیونکہ ادبی ٹرسٹ شاعروں، ادیبوں کی مالی اعانت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔“ میں نے فوراً کہا تھا یہ بات میرے لئے باعث اعزاز ہے کہ میں آپ کے اعتماد میں کام کروں اور کہتا تھا کہ میں اس وقت تک کام کرتا رہوں گا جب تک مجھے آپ کا اعتماد باقی رہے۔ جناب عابد علی خان کی حیات تک میں اعتماد کی فضاء میں کام کرتا رہا اور آج بھی جناب زاہد علی خان صاحب کی راست نگرانی میں جھسر پور اعتماد کی فضاء میں ادبی ٹرسٹ کے آفس انچارج کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ ادبی ٹرسٹ کے شاعروں کی شہرت تو عالمگیر ہے ساری اردو دنیا ادبی ٹرسٹ کی سرگرمیوں سے واقف ہے۔ ادبی ٹرسٹ کی جانب سے شاعروں، ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت کے علاوہ طبی اعانت کے لئے بھی امداد دی جاتی ہے۔ ادھر کچھ برسوں سے میڈیکل سائنس اور انجینئرنگ کالج کے علماء کو بھی ٹرسٹ کی جانب سے

طبعی امداد دی جا رہی ہے ادبی ٹرسٹ کے ارکان (ٹرسٹینز) کا خاص وصف یہ ہے کہ ٹرسٹ کا چاہے وہ کوئی بھی فیصلہ کیوں نہ ہو انتہائی خوشگوار ماحول میں طے پاتا ہے ادبی ٹرسٹ کے اجلاس میں تمام مسائل پر نہایت عمدگی و سنجیدگی کے ساتھ تبادلہ خیال کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے قیام ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء کے بعد سے ہی ادارہ کے سرپرست ہیں۔ دیگر سرپرستوں میں گیارہ بیٹھ ایوارڈ یافتہ شاعریدم و بھوشن ڈاکٹر سی نارائن ریڈی ایم پی، پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتہ یونیورسٹی، خلیل الرحمن سابق ایم پی اور کے وی رتنا چاری آئی اے ایس شامل ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے جس کے تعاون سے حکومت آندھرا پردیش کے محکمہ تہذیبی و ثقافتی امور نے پُرانے شہر میں واقع مال والا پیا لیس میں مئی ۱۹۹۱ء میں اردو، ہندی کا بلا جلا گنگا جمنی شاندار مشاعرہ تیرہ ہزارت جناب عابد علی خان، مدیر سیاست منعقد کیا تھا جس میں ۳۵ شاعروں نے کلام سنایا تھا۔ حکومت کی جانب سے ان تمام شاعروں کو گیمے زر پیش کرنے کے علاوہ اعزازات سے نوازا گیا۔ اُس موقع کے انعقاد کا سپہا اربوربان و تہذیب کے دلدادہ ڈاکٹر کٹر کلچرل آفیز جناب کے وی رتنا چاری کے سر جاتا ہے جو ٹھیک حیدر آباد کی ہیں۔ رتنا چاری صاحب میرے بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے ڈاکٹر کلچرل آفیز کی حیثیت سے رویندر ابھارتی تحفہ میں کئی

اُردو پروگراموں کا اہتمام کیا۔ دو سال پہلے اُن کے تعاون سے لاج بھون
 میں بھی ایک نمائندہ مشاعرہ ہوا۔ جس کے میزبان محفل گورنر صاحب
 آئندہ پرنس ڈاکٹر می رنگارا جن تھے۔ کنونیر و ناظم مشاعرہ کی ذمہ داری
 مجھے سونپی گئی تھی مشاعرہ میں حضرت سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی
 صلاح الدین بیکتر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، ہنیال سنگھ و رما
 علی الدین نوید، اشرف غوری، مومن خان شوق اور شفیع اقبال نے کلام
 سنایا تھا اس موقع پر گورنر صاحب نے تمام شاعروں کو شال اور معا
 کر اُن کی عزت افزائی کی تھی اس وقت ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے
 عہدہ داروں میں صلاح الدین بیکتر صدر، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، ڈاکٹر صادق
 نقوی اور ہنیال سنگھ و رما نائب صدور، رئیس اختر معتمد عمومی،
 مومن خان شوق معتمد ہیں (صلاح الدین بیکتر بانی جنرل سکریٹری ہیں)
 ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے ارکان کی تعداد ۱۲۰ ہے اس
 ادارہ کے زیر اہتمام اُجبالوں کے مسافر کے زیر عنوان ڈاکٹر علی احمد جلیلی
 ایم باگاریڈی ایم پی، پروفیسر حبیب صبیح، علیل الرحمن سابق ایم پی،
 پروفیسر احمد اللہ خان، نامورا نجیہ ولی قادری، ڈاکٹر صادق نقوی
 ہنیال سنگھ و رما، عبدالرحیم آرزو اور دیگر حضرات کے خدمات
 کے اعتراف میں ادبی تقاریر منعقد کی جا چکی ہیں اور اوراقِ ماضی
 کے زیر عنوان علامہ حیرت بدایونی، شاہد صدیقی، پروفیسر سید محمد
 ڈاکٹر حفیظ قتیل، قاضی میر لطف علی عارف ابو العلاء، اورج یعقوبی،

میان ارباب، حیرات ندیم، طالب زرافعی، عوض سعید، بوگس حبیب آبادی
 و خراج عقیدت پیش کیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ادارہ میرا شہر میرے
 لیے گئی ہر اہم ادبی تقریب میں شرکت فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب کی صدارتی
 سرپرست نہایت مختصر مگر جامع ہوتی ہے ان کی تقریر زبان و ادب کے
 لحاظ سے ہمیشہ حوصلہ افزا رہتی ہے ڈاکٹر صاحب اردو زبان کی ترقی و
 ترویج کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اردو زبان کے تعلق سے کبھی مایوسی کی
 بات نہیں کرتے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعض جملے پُر مزاح بھی ہوتے ہیں
 حال گذشتہ (۲۵ اپریل ۲۰۰۰ء) مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹیٹیوٹ
 میں ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے زیر صدارت ڈاکٹر سید
 عبدالحنان علامہ حیرت بدایونی کی یاد میں ”اوراقِ ماضی“ کے زیر عنوان
 ادبی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ علامہ حیرت بدایونی، ڈاکٹر صاحب کے بہت
 ہی قریبی دوست رہے ہیں ڈاکٹر صاحب نے علامہ حیرت بدایونی سے
 اپنے دیرینہ مراسم کے حوالے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ (فکن ہو یہ بات
 مذاق کے طور پر کہی ہو) علامہ حیرت بدایونی ہر مشاعرے میں کامیاب
 ہونے کے آرزو مند رہتے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ علامہ نے
 مجھ سے فرمایا تھا کہ ڈاکٹر صاحب آج مجھے بڑے مشاعرے میں کلام کہنا
 ہے مجھے ایک ایسی گولی دیجئے کہ میں زیادہ کامیاب رہوں۔ ڈاکٹر صاحب
 نے حسبِ خواہش ایک گولی دی۔ علامہ کا مشاعرہ میں کامیاب رہے۔ کچھ
 دنوں کے بعد پھر آئے کچھنے لگے آج بہت بڑا مشاعرہ ہے بہت بہت

ہی بڑھیا گولی دیجیئے تاکہ میں مارے مشاعرہ پر چھپا جاؤں۔ لیکن آپ سے یہ درخواست ہے کہ یہ گولی کسی اور شاعر کو مت دیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشاعرہ مارے اور میں رہ جاؤں۔ (اس آخری جملہ پر مال قہقہہ زار بن گیا تھا)۔

ڈاکٹر صاحبؔ والا شان پرنس معظّم جاہ شہجیح کی یاد میں قائم کردہ ادبی انجمن ایوان پرنس معظّم جاہ شہجیح کے سرپرست ہیں اس انجمن کی تشکیل کا پس منظر کچھ اس طرح کا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک ملاقات میں مجھ سے فرمایا کہ پرنس شہامت جاہ کو شعرو شاعری کا بہت شوق ہے اُن کا خواہش ہے کہ آپ اُن کے استاد کی حیثیت سے رہبری کریں۔ واضح بات کہ ڈاکٹر منان صاحب والا شان پرنس معظّم جاہ شہجیح کے خاص مولج رہے ہیں بلکہ آخری وائی ریاست حیدر آباد آصف سابع نواب میر عثمان علی خان کے بھی خصوصی مولج رہے ہیں اس وقت پرنس انوری بیگم (بیگم پرنس معظّم جاہ شہجیح) اور پرنس شہامت جاہ کے بھی مولج ہیں۔ پرنس انوری بیگم اور پرنس شہامت جاہ ڈاکٹر صاحب کی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور اپنے فی معاملات میں مشورہ بھی کرتے ہیں۔ تو ڈاکٹر صاحب نے جب پہلی دفعہ پرنس شہامت جاہ سے ملاقات کے لئے ارشاد فرمایا تو میں نے اپنی ضرورت چھان لیگیں میں نے ملاقات نہیں کی۔ دوسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا البتہ تیسری دفعہ میں ڈاکٹر صاحب کی بات ٹال نہیں سکا۔ دراصل میں

اپنی ادبی مصروفیات کی وجہ سے تامل کر رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر میں
ہفتہ میں پانچ دن ایک گھنٹہ وقت دیتا تھا۔ اس اثناء میں پرنس شہامت
جاہ کے روشنی مجموعے شمع فردزاں (۱۵۲ صفحات) اور صبح درخشاں
(۱۵۲ صفحات) شائع ہوئے۔ تمام کی تمام غزلیں میرے تخلیقی فیضان، میری
عرقا ربوی، اور عامی فوجہ کی حاصل ہیں۔ پرنس شہامت جاہ ایوان
شبیخ کے ہر مشاعرہ میں کہتے ہیں کہ نیر صاحب میرے استاد ہیں اور
ان کی میر پرستی اور بہتری میں ملے بغیر ہر شے پرنس شہامت جاہ کا نشیرو
مجموعہ کلام زیر ترتیب ہے پرنس شہامت جاہ سے پہلی ملاقات کے کچھ
دن بعد میں نے ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ایک
تجویز میرے پیش نظر یہ ہیں نے مشورۃً کہا تھا کہ ایک ادبی انجمن
ایوان پرنس معظم جاہ شبیح کے نام سے قائم کی جانی چاہیے جس سے
دالاشان پرنس معظم جاہ شبیح کا نام ادبی حلقوں میں کسی پرستون تنگ
گوختا رہے گا۔ آصف جاہی خاندان کی علمی و ادبی خدمات کو بھی
یاد کیا جاتا رہے گا۔ ہر ماہ مشاعرے کے انعقاد سے پرنس معظم جاہ
شبیح کا بار بار تذکرہ اخباروں کی زینت بنتا رہے گا پرنس شہامت
جاہ اور ان کی شاعری سے بھی شعری و ادبی حلقے واقف ہوتے رہیں گے
ڈاکٹر صاحب کو میری تجویز پسند آئی۔ پھر میں نے یہ تجویز ڈاکٹر صاحب
کے حوالے سے پرنس انوری بیگم اور پرنس شہامت جاہ کے سامنے
رکھی۔ ان دونوں نے نہ صرف اس تجویز کو پسند کیا بلکہ بے حد توشیح

ہوئے۔ تجاویز کی منظوری کے بعد انجن قائم کی گئی۔ فرن و لار ہائش گاہ
 شہادت جہاں () میں مشاعروں کا آغاز ہوا۔ ایوانِ شہجیع کے سرپرست
 اعلیٰ پیر نسیم النوری میگم، سرپرست ڈاکٹر سعید عبدالمنان اور میزبان
 محفل پیر نسیم شہادت جہاں ہیں۔ صلاح الدین نیر صدر کی حیثیت سے اور
 رئیس اختر معتمد عمومی تائید کیے گئے۔ کچھ عرصے بعد مومن خان شوقی معتمد
 ایوانِ شہجیع مقرر ہوئے۔ ایوانِ شہجیع کے مشاعروں میں شہر کے نامزد
 شعراء شرکت کیا کرتے ہیں مشاعرہ کی صدارت کبھی حضرت سعید شہیدی
 کرتے تو کبھی ڈاکٹر علی احمد علیل کرتے رہے۔ ڈاکٹر سعید عبدالمنان
 ہر ادبی اجلاس کے صدر رہتے ہیں۔ ہمارے خصوصی کی حیثیت سے جناب
 خلیل الرحمن سابق ایم پی کی شرکت نمایاں حیثیت کی حامل رہتی ہے قیام
 انجن کے بعد بھی صرف ایک مشاعرہ میں خلیل الرحمن صاحب شرکت نہ
 کر سکے۔ جناب آصف پاشا سابق ریاستی وزیر قانون اور بعض
 علم دوست اہل علم بھی ہمارے خصوصی کی حیثیت سے شرکت
 کرتے رہے۔ جناب محمود بن محمد سابق سفیر ہند برائے سعودی عرب
 بیرونہ فیروز خان صاحب سابق وائس چانسلر کاکیتہ یونیورسٹی ورنگل، نامور
 انجینئر جناب ولی قادر اور جناب غلام صادق الدین جزل سکریٹری
 پبلک سیکشن سائنس و ٹیکنالوجی اور ڈپٹی بھی ہمارے خصوصی رہ چکے ہیں ان کے
 علاوہ امریکہ، کینیڈا، لندن، سعودی عرب میں مقیم نامور شخصیتوں
 نے الشمول جناب سعید بن محسن باغزل صدر بزم عثمانیہ (جدہ) جزل سکریٹری

بڑے عثمانیہ جیدہ عارف قریشی نے بھی مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت
 کی ہے ایوانِ شجیعہ کے مشاعرے قدیم جیدہ آبادی تہذیب و روایاں کے
 آئینہ دار ہوتے ہیں صرف دعوتِ شعراء و سامعین ہی شرکت کیا کرتے
 ہیں۔ نہایت پُر وقار و تہذیبی اقدار کے ماحول میں مشاعرے جاری
 رہتے ہیں مشاعرہ گاہ پر نسبی النوری بیگم کی راسیت نگرانی میں آراستہ
 کیا جاتا ہے شیعہ محفلِ فردزاں رہتی ہے مہمانوں و شعراء کی نشستوں کا
 خاص اہتمام رہتا ہے اردو ہندی کے نامور شعراء شرکت کیا کرتے ہیں
 ان میں سے کچھ شعراء کے نام یہ ہیں۔ ڈاکٹر علی احمد جلیلی، صلاح الدین نیر، نسیم
 ڈاکٹر صادق نقوی، نسیاں سنگھ ورما، ناصر کرنولی، اشرف نوری، ڈاکٹر راہی
 قاضی انجم عارفی، بشیرا مجید، پرنس شہامت جاہ، شاغل ادیب، مومن خان
 شوق، یوسف یکتا، شفیع افہال، ہاشم حسن سعید، ڈاکٹر اندر و شمس
 ڈاکٹر ایلیمشرا، ڈی مادھوی، رشید جلیلی، یاسط نقوی، عبدالرزاق
 شوق، فاروق عارفی، نانک سنگھ شتر کوئی گارو، امبا جی راڈ شاہ
 جگجیون لال اسٹھارہ، سچندر عبد الوہاب غوری، افغان۔ سعید شہیدی مرحوم
 مرزا وجیدیگ، افضل تسلیم بھی شرکت کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر بانو
 طاہرہ سعید ناسازی مزمل کی وجہ سے بھی شرکت کر رہی ہیں۔ اضلاع
 کے نمائندہ شاعروں میں عبدالرحیم آرزو، گوہر پریم نوری، حفیظ انجم، محبوب کوثر
 وقار یاض، جمیل نظام آبادی، تاج مظفر نے بھی شرکت کی ہے ایوانِ
 شجیعہ کی ہر محفل ڈاکٹر صاحب کے مشورہ سے منعقد کی جاتی ہے۔ میرے

مجموعہ کلام ”کیا کیا جلے“ کی رسم اجراء تقریب ۲۰ مارچ ۱۹۹۵ء کو راج بھون میں منعقد ہوئی تھی۔ گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت میزبان محفل تھے اور ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے صدارت کی تھی ڈاکٹر سید عبدالمنان اور پروفیسر جعفر نظام پھانان خصوصی تھے ڈاکٹر منان صاحب کو اس رسم اجراء تقریب میں بطور خاص مدعو کیا گیا تھا گورنر صاحب نے رسم اجراء انجام دی تھی گورنر صاحب کی خواہش پر رسم اجراء تقریب کے بعد مشاعرہ ہوا جس میں منتخب شعراء ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، صلاح الدین تیر، رئیس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، نہال سنگھ ودما، قاضی انجم عارفی، ڈاکٹر راہی، شفیق اقبال اور مومن خاں شوق نے کلام سنایا۔ جناب رئیس اختر مستند مشاعرہ تھے۔ ڈاکٹر منان صاحب معاشرہ کی بہر سطح پیر اپنی منفرد پہچان کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی ساری زندگی ایک طویل خدمات کی اعلیٰ مثال ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ انھیں زبان و ادب کی خدمت کے لئے ہی نہیں ایک طبع ذوق و محنت و مسیحا کی حیثیت سے بھی سایہ دار درخت کی طرح باقی رکھے۔ حیدرآباد کی اعلیٰ روایات کی پاسداری کے لئے بھی ڈاکٹر صاحب کی سرپرستی کی ہمیں ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نہایت خلیق، بامروت اور مہذب انسان ہیں، نرم گفتاری، شگفتہ مزاجی اور ان کی اعلیٰ ظرفی ہم سب کو کے لئے سایہ فگن ہے۔ اس نیک انسان پر ہمیشہ خدا ہر بان رہے گا۔ میرا دل کہتا ہے۔

نواب شاہ عالم خان

عطرِ بیز فضاؤں میں ہنکنے والی حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیت

حیدر آباد فرخندہ بنیاد کی عطرِ بیز فضاؤں میں ہنکنے والی شگفتہ پھولوں کی بھینتی بھینتی خوشبوؤں سے دل و دماغ کو راحت پہونچانے والی حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ شخصیتوں کا جہاں کہیں بھی ذکر آئے گا۔ اُن شخصیتوں کی فہرست کے ابتدائی ناموں میں نمایاں اور روشن ترین نام نواب شاہ عالم خان کا بھی نظر آئے گا۔ ہنکتی، جھومتی، شرافت، ففاست، محبت و مروت، رواداری اور وضواری کی کہکشاں سے پُر نور ماحول کی پروردہ، برگزیدہ شخصیت نواب شاہ عالم خان کے ذکر سے ہی محسوس ہوتا ہے کہ ہم ایک ایسی پُر وقار شخصیت کے روبرو کھڑے ہوئے ہیں جس کے جسم و جاں کی تہک سارے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔

نواب شاہ عالم خان ہمارے شہر محبت کی اعلیٰ سوسائٹی کی

صف اول کی نمائندہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ شرافت پسند، محبتِ نواز، انانیت دوست لوگوں کا ذکر کرنا اور ان آئینہ صفت ہستیوں سے ملنے کی خواہش رکھنا ہی خوش مزاجوں اور خوش نصیبوں کے لئے ایک مژدہ جاں فراب ہے اور یہ ایک ایسی طلب ہے جس کے خیال ہی سے فکر و نظر کے آئینے جگمگانے لگتے ہیں۔

نواب شاہ عالم خان ہمارے شہر کے لئے ایک ایسا کوہ نور بھی ہیں جس کی چمک سے تہذیب و ثقافت، شرافت و صداقت اور علم و حکمت کی ساری عمارتیں جگمگانے لگتی ہیں۔ ہم حیدر آبادیوں کے لئے یہ بات باعثِ صداقت قرار ہے کہ نواب شاہ عالم خان ایسی پاک و صاف آئینہ مثال شخصیت ہم میں موجود ہے۔

میں جب ۱۹۵۹ء میں اخبارِ سیاست سے وابستہ ہوا تو رفتہ رفتہ مجھے شہر کی تقریباً تمام نمائندہ شخصیتوں سے چلبے ان کا تعلق کسی بھی شعبہ حیات سے کیوں نہ ہو ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملتا رہا۔ نواب صاحب کو میں شہر کی نمائندہ محفلوں میں اکثر دیکھا کرتا تھا۔

جناب عابد علی خان صاحب مدیرِ سیاست سے ان کے گھر پر مراہم تھے عابد علی خان صاحب کے زیرِ انتظام مختلف تہذیبی و ادبی تقاریر میں نواب صاحب مدعو رہتے تھے نواب صاحب نے جب

الوزار العلوم کلج کے سربراہ کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی تو کلج کی ہر سطح کو بلند یوں پر پہنچا دیا۔ نواب صاحب ممتاز عثمانین ہیں وہ عثمانیہ یونیورسٹی کی مختلف کمیٹیوں میں رہ چکے ہیں نواب صاحب نے اپنے بہترین مراسم کی بنیاد پر اس وقت کے وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ، ممتاز عثمانین ڈاکٹر نوذیت راؤ اور حکومت آندھرا پردیش کے ارباب مجاز کے تعاون سے الوزار العلوم کلج کو ایک خود مختار ادارہ بنا دیا۔ یہ نواب صاحب کا غیر معمولی کارنامہ ہے آج الوزار العلوم کلج میں ہر قسم کی عہدہ کی تعلیم دی جاتی ہے نواب شاہ عالم خان نے کئی تعلیمی شعبے قائم کیے ہیں شہر کے پرائیویٹ کالجس میں الوزار العلوم کلج بھی اپنی اعلیٰ درجہ کی تعلیمی سرگرمیوں کی وجہ سے بہت ہی اونچے مقام پر ہے نواب صاحب کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے کلج کے انتظامیہ کی جانب سے مختلف اوقات میں تعلیمی و تہذیبی تقاریب ہوا کرتی ہیں۔

جناب عابد علی خان صاحب کے مراسم کی طرح نواب شاہ عالم خان صاحب کے مراسم بھی سابق گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت (موجودہ نائب صدر جمہوریہ ہند) سے بہت ہی خوشگوار اور مثالی تھے کلج کی بعض تقاریب میں گورنر صاحب کو مدعو کیا جاتا رہا۔ سابق گورنر آندھرا پردیش محترمہ کمودین جوشی نے بھی الوزار العلوم کلج

کو علمی فضاؤں کو اپنے عمدہ اور متاثر کن خیالات سے منور کیا تھا۔ انوار العلوم کالج کی بہترین کارکردگی اور نمایاں ترقی، نواب صاحب کا مقصد حیات ہے ویسے نواب صاحب اپنے مستند حیات میں کامیاب ہو چکے ہیں کالج کا انتظامیہ قابل اعتماد ہے کالج کے سکریٹری نواب محبوب عالم خان زبردست اڈمنسٹریٹر ہیں۔ ڈسپلن کے معاملے میں بھی یہ کالج قابل تقلید ہے۔ تعلیم کا معیار بھی بہت اوجھا ہے قابل ترین اساتذہ کی خدمات سے طلباء اپنے دل و دماغ کو روشن کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں، میں خاص طور پر اپنی واقفیت کی بناء پر ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، آمنہ انصاری، نیپال سنگھ درما اور آئندراج درما کا نام سینا چاہوں گا۔ لائق اساتذہ نے نواب صاحب کے روشن خواب کو حقیقت میں بدل دیا ہے نواب شاہ عالم خان اور نواب محبوب عالم خان صاحب کے علاوہ کالج کے اساتذہ نے بھی کالج کی ترقی و بہتری کے لئے کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ نواب صاحب، شعر و ادب کے گنگا جمنی ماحول کی وجہ سے ہندی اردو کے نامور شاعر و ادیب نیپال سنگھ درما سے ذہنی طور پر بہت زیادہ قریب ہیں نواب صاحب نیپال سنگھ درما کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ درما صاحب کی کالج سے وفاداری، انتظامیہ سے ان کی گہری وابستگی، تعلیمی و تہذیبی امور میں ان کی دیانتداری، ان کے حسن عمل کو کالج کا ہر شخص خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ درما صاحب کی

تابلیت اور ان کی کلچ سے وابہانہ وابستگی کا ہی نتیجہ ہے کہ صدر شعبہ ہندی کی حیثیت سے وظیفہ حسن خدمت کے بعد بھی وہ کلچ سے وابہ ہیں۔ نواب صاحب نے مجھ سے ایک ملاقات میں جو ان کی سگریٹ فیکٹری میں ان کے اجلاس پر ہوئی تھی فرمایا تھا کہ میں جب تک زندہ ہوں ورماء میرے کلچ میں میرے ساتھ رہیں گے۔ میں ان کو کلچ سے دُور رکھنا نہیں چاہتا۔ اس موقع پر ورماء صاحب بھی موجود تھے تین سال پہلے نواب صاحب سے فون پر وقت لے کر ہم دونوں تقریباً پانچ دو پہر ملاقات کے لئے ان کے آفس پہنچے تھے میرے ملنے کا مقصد خوشبو کا سفر کے لئے گوکٹ ڈہ سگریٹ فیکٹری کا اشتہار لینا تھا۔ جب میں نے اپنے آنے کی وجہ بتائی تو نواب صاحب نے فرمایا خوشبو کا سفر کے لئے ہر ماہ اشتہار ملتا ہے گا تقریباً تین سال سے ہر ماہ خوشبو کا سفر کے لئے اشتہار مل رہا ہے اس ملاقات کے دو سو یا تیس دن نواب صاحب نے اپنی جانب سے خوشبو کا سفر کے لئے بخیر یا کنگے پانچ ہزار روپے کا چیک روانہ فرمایا۔ بخیر کی طلب کے نواب صاحب کی عنایت نے مجھے مزید متاثر کیا۔

نواب صاحب کی کرم فرمائیاں خوشبو کا سفر کے لئے ہی نہیں بلکہ اردو زبان و ادب، تہذیب و ثقافت کے لئے ایک نعمت

غیر مترقبہ ہیں۔ نواب صاحب کا ہاتھ بہت کشادہ ہے کشادہ دل کی طرح۔ میں واقف ہوں کہ شہر کی بعض معیاری و منتخب انجمنوں کے خصوصی جلسوں کے لئے نواب صاحب سرپرستی فرماتے ہیں خوشبو کا سفر کے سلسلے کی اس ملاقات سے کچھ دن پہلے میں نواب صاحب سے کسی ادبی کام کے سلسلے میں اُن کے آفس پہنچا تھا۔ میں نے اُس دن صبح نواب صاحب کو فون کر کے ملاقات کا وقت لے لیا تھا۔ آفس پہنچتے ہی میں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ انڈر کے حوالے کیا۔ نواب صاحب کا وڈ دیکھتے ہی باہر تشریف لائے اور مجھے اپنے روم میں لے گئے۔ گرما کا موسم تھا نواب صاحب نے فرمایا تم کٹری دھوپ میں آئے ہو میں تمہیں ناریل کا پانی پلانا چاہتا ہوں۔ آفس کے ملازم نے دو تین منٹ میں ناریل کے پانی سے بھرے ہوئے دو گلاس میز پر رکھ دیئے۔ گفتگو ہوتی رہی۔ دورانِ گفتگو نواب صاحب، ہاشم علی اختر صاحب، ڈاکٹر منان صاحب، عابد علی خان صاحب اور پروفیسر جعفر نظام سے اپنی دوستی اور اپنی طویل رفاقت کا ذکر کرتے رہے۔ اپنی عنایت سے ہاشم علی اختر صاحب کے نجی خطوط جو دوستانہ مراسلہ کے ترجمان تھے، پڑھ کر سنائے۔ اور اُن خطوط کے جواب میں نواب صاحب نے جو خطوط کچھ تھے وہ بھی سنائے۔ نواب صاحب یہ

بتانا چاہتے تھے کہ ان خطوط میں کہاں کہاں حیدر آباد ہے اور کہاں
 کہاں حیدر آبادی تہذیب کا ذکر ہے نواب صاحب دراصل شہر کے
 بہترین لوگوں کے ذکر اور شہر کی تہذیبی روایات کے تذکرہ سے خوشی
 محسوس کرتے ہیں کبھی کبھی دوران گفتگو یہ بھی کہتے رہے۔ نیز
 میاں۔ اب کہاں حیدر آبادی تہذیب باقی رہی۔ نواب صاحب
 اگرچہ نئی روشنی کا استقبال کرتے ہیں لیکن اُن لوگوں کو اور اُن
 کے گھرانوں کے ماحول کو معاف کرتے تیار نہیں ہیں جو اپنی تہذیب
 اپنی اعلیٰ روایات سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کامیاب
 ملاقات کے بعد ہم دونوں دیر تک نواب صاحب کی شائستگی، حیدر آباد
 اور حیدر آبادی تہذیب سے اُن کی بے پناہ محبت کے بارے میں سوچتے
 رہے۔

جس زمانے میں محترم کمود بین جوشی آندھرا پردیش کی گورنر تھیں
 راج بھون کے دربار مال میں گوکنت ڈھ سوسائٹی کا ایک اجلاس زیر
 صدارت گورنر صاحبہ ہوا تھا۔ سوسائٹی کے تقریباً تمام ارکان
 موجود تھے۔ یہ اجلاس حیدر آباد کے۔۔۔ ہم سالہ جشن تقاریب کو
 قطعیت دینے کے لئے منعقد ہوا تھا (اُس زمانے میں ایم چناریڈی
 ریاست کے چیف منسٹر تھے) گوکنت ڈھ سوسائٹی کے صدر جناب عابد
 علی خان صاحب تھے نواب صاحب نائب صدر تھے۔ ڈاکٹر کمر

سالار جنگ مسوزیم ڈاکٹر موہن لعل نگم جنرل سکریٹری تھے اور میں
 (صلاح الدین نیئر) جو اینٹ سکریٹری تھا۔ نواب صاحب اور جناب
 عابد علی خان صاحب کی نگرانی اور زیر سرپرستی، ڈاکٹر موہن لال
 نگم کی شخصی دلچسپی اور میرے تعاون سے قلی قطب شاہ اسٹیڈیم
 میں شاندار پیمائے پر ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو کل ہند مشاعرہ
 ہوا تھا جس میں اردو، ہندی کے کئی جہان شاعروں نے شرکت کی
 تھی۔ مشاعرہ کی صدارت جناب عابد علی خان نے کی تھی جنوری ۱۹۹۰ء
 میں روئند را بھارتی تھیٹر میں عالمی شہرت یافتہ پاکستان کے ناٹک
 گلوکار غلام علی خان کا پروگرام تھا۔ نواب صاحب نے صدارت
 فرمائی تھی۔ یہ دونوں پروگرامس کو ڈاکٹر نگم کی دلچسپی کی وجہ سے
 آج۔ ٹی۔ آئی نے اسپانسر کیا تھا ان دو روزہ پروگرام کے
 سلسلے میں ڈاکٹر نگم کی خدمات ناقابل فراموش رہیں۔ راج بھون
 کے اجلاس میں یہ طے پایا تھا کہ حیدر آباد کی یہ سالہ جشن تقاریب
 اعلیٰ پیمانے پر منائی جائیں۔ سو سائٹی کا ایک اجلاس نواب شاہ
 عالم خان کے دولت خانے بعزکت پورہ میں ہوا تھا جس میں سو سائٹی
 کے تقریباً تمام ارکان نے شرکت کی تھی۔ نواب صاحب نے پھر تکلف
 اصرار نہ دیا تھا نواب صاحب تمام ارکان کے پاس خود پہنچے اور
 یہ نفس نفیس ان کی تواضع کرتے رہے۔ نواب صاحب کے

اس پُر تکلف عصرانہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عابد علی خان صاحب نے فرمایا تھا کہ نواب صاحب نے اتنا کچھ کھلا دیا ہے کہ اب ہمیں شام میں کھانے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نواب صاحب نے نہایت فراغ دلی کے ساتھ تواضع کی بھی نواب صاحب کی وضع داری اور ان کی حیدر آبادیت کی ایک اور مثال قابل تقلید زندہ دلاں حیدر آباد کی سالانہ کانفرنس کے سلسلے میں نواب صاحب کی صدارت میں فتح میدان کلب کے احاطہ میں ایک عظیم الشان مزاحیہ مشاعرہ ہوا تھا۔ ہزاروں شائقین مشاعرہ نے شرکت کی تھی اس مشاعرہ میں ہلال سیوہاروی نے اپنی ایک معرکہ الآرا نظم ”خون کی مانگ“ سننا کر مشاعرہ کو لوٹ لیا تھا مشاعرہ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے شر نشین پر پہنچتے ہی میں نے نواب صاحب کو سلام کیا تو نواب صاحب نے کھڑے ہو کر سلام کا جواب دیا۔ جس سے مجھے بے حد شرمندگی ہوئی۔ میں نے فرط عقیدت میں نواب صاحب سے کہا کہ آپ کو تشریف رکھنا چاہیے لوگ آتے رہیں گے آپ کس کس کے لئے اٹھتے رہیں گے تو نواب صاحب نے دل کو چھونے والی بات برحسہ کہی میری سچ تک میں زندہ ہوں اپنی وضع داری کو نبھاتا رہوں گا۔ ویسے بھی تیرا اب حیدر آبادی تہذیب

ہے کیا پڑا ہو تہذیب کی کہیں کہیں جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ہمیں اپنی تہذیب کو باقی رکھنا چاہیے تاکہ آنے والی نسلیں اپنی اسلاف کی روایات کو یاد رکھ سکیں۔ نواب صاحب سے جہاں کہیں بھی ملاقات ہوتی ہے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔

جس وقت جناب کرشن کانت گورنر آندھرا پردیش تھے تو راج بھون میں بہت سی تہذیبی تقاریب ہو کر تھیں نواب صاحب کو میں نے راج بھون کی ہر تقریب میں ۷.۱.۲ کی صف میں دیکھا ہے جناب کرشن کانت کی گورنری کے زمانے میں راج بھون کی تقریباً ہر تقریب میں مدعو رہا ہوں۔ میں نے راج بھون کی تقاریب میں بھی دیکھا ہے کہ شہر کی نمائندہ شخصتیں نواب صاحب سے کس سُر تپاک طریقے سے ملا کرتی ہیں۔ نواب صاحب کا رکھ رکھاؤ اور ان کی نشست و برخاست کا انداز برائے نامتہ ہوتا ہے۔

نواب صاحب پھولوں کے بڑے شیدائی ہیں۔ گلاب کے پھول انہیں بہت زیادہ پسند ہیں وہ گلاب کے پھولوں کی نمائش کے سربراہ رہا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ گلاب کے پھولوں کی نمائش کے سلسلے میں جو ہوٹل سرور میں منعقد ہوئی تھی محترم

جگر صاحب نے مجھے "سیاست" میں رپورٹنگ کے لئے بھیج دیا تھا جب میں تماش گاہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ گلاب کے مختلف اقسام کے بے شمار پھولوں کے نمونے موجود ہیں نواب صاحب ایک علاحدہ مقام پر اپنے اہل خاندان کے ساتھ تشریف فرما تھے میں نے سلام کے بعد اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور کہا کہ جگر صاحب نے رپورٹنگ کے لئے بھیجا ہے اُس دن میں نواب صاحب کے ساتھ لیچ میں شریک رہا۔

نواب شاہ عالم خان صاحب کے عابد علی خان صاحب سے گہرے دوستانہ مراسم تھے عابد علی خان صاحب کے دولت خانہ عابد منزل (واقع لکڑی کا پل) میں ہونے والی ہر محفل شعر اور محفل موسیقی میں نواب صاحب مدعو رہتے تھے عشاءِ ثانیہ کے بعد محفل مشاعرہ یا محفل موسیقی آراستہ کی جاتی۔ شہر کی نمائندہ شخصیات مدعو رہتیں۔ میں اُس طرح کی تقریباً ہر محفل میں موجود رہتا تھا عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب مجھے لازماً مدعو فرماتے میں میزبانی کے فرائض بھی انجام دیا کرتا تھا بعض محفل شعر و محفل موسیقی کی میں نے نظامت بھی کی ہے۔

نواب شاہ عالم خان صاحب شہر کی بہت سی علمی و ادبی، تعلیمی و ثقافتی اداروں سے وابستہ ہیں مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ

میں اپنی کتابوں کی رسم اجراء تقاریب میں نواب صاحب کو مدعو کرتا رہا ہوں۔ نواب صاحب نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی اور شرکت فرماتے رہے۔

اندر اگاندھی نیشنل یونیٹی ایوارڈ تقریب جو یونیٹی ان ڈائریکٹری آرگنائزیشن دہلی، اینیکٹا میں ایکٹرا اسٹریپ سنگٹھن کی جانب سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ۵ بجے شام روئڈرا بھارتی تھیٹر میں عظیم اشان پیلے پر منعقد کی گئی تھی جس کے جنرل سکریٹری جناب مشتاق حسین تھے میں ایوارڈ تقریب کا کنوینر تھا ایوارڈ تقریب کی ساری کارروائی میں نے ہی چلائی تھی۔ گورنر سکیم جناب شیو شنکر کے ہاتھوں ایوارڈ دیئے گئے تھے اس تقریب کے سلسلے میں جب میں نے شیو شنکر صاحب سے فون پر بات کی تو گورنر صاحب یہ خوشی راضی ہو گئے اور کہا کہ حیدرآباد کے اتنے اچھے پروگرام ہیں، میں ضرور شرکت کروں گا آپ میرا نام پروگرام میں شامل کر لیجئے۔ شیو شنکر صاحب نے کہا نیر صاحب میں آپ کے کلام کا شیدائی ہوں۔ ”سیاست“ میں آپ کی غزلیں پڑھتا رہتا ہوں۔ میں نے ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں میں بھی آپ کو سنا ہے۔

ایوارڈ پانے والوں میں نواب شاہ عالم خان صاحب بھی

شامل تھے شہر کی دیگر اہم شخصیتوں میں ڈاکٹر سی نارائن ریڈی
ڈاکٹر سید عید المنان، محبوب حسین جگر، جناب غلام احمد (نانور
کریٹر) قلم اسٹار اجیتا (حامد علی خان) ایم باگاریڈی، ڈاکٹر
شیام سندر، سید شریف حسین، ڈاکٹر وزارت رسول خان، کے
وی رتنا چاری، آئی اے ایس، شاعروں، ایڈیٹروں، ڈاکٹر
علی احمد جلیلی، رئیس اختر، پروفیسر حبیب ضیاء، ناصر کرلوی
حمایت اللہ، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، نہپال سنگھ ورما، صالحہ اللہ
ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، علی الدین نوید، اکمل حیدر آبادی، مومن
خان شوق، منظر النساء تانہ اور صلاح الدین شیر شاہی تھے ان تمام
شخصیتوں کا انتخاب صرف اور صرف میں نے کیا تھا تقریب کے
جنرل سکریٹری جناب مشتاق حسینی نے مجھے اس بات کی اجازت
دی تھی کہ میں نے ازراہ ادب نوازی میرا نام بھی شامل کیا تھا۔
جناب شیوشنکر صاحب نے تمام ایوارڈ یافتگان کو قیمتی شال
ادڑھائی اور شاندار مونسٹو پیش کیے۔ اس آرگنائزیشن کی
جانب سے اسی نوعیت کی ایوارڈ تقریب ۱۹۹۳ء میں روئندہ
بھارتی تھیٹر میں ہوئی تھی اس وقت بھی جنرل سکریٹری آرگنائزیشن
مشتاق حسینی نے نامور ادبی دہندہ بی شخصیتوں کے انتخاب کا
مجھے ہی مجاز گردانا تھا اس تقریب میں جناب عابد علی خان

سید یاشم علی اختر وغیرہ شامل تھے۔
 میرے گیارہویں مجموعہ کلام نیلم زرفشاں کی رسم اجراء تقریب
 ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۰ کو اردو ہال میں منعقد ہوئی تھی۔ فون پر وہاں خصوصی
 کی حیثیت سے نواب شاہ عالم خان صاحب کو دعوت دینا چاہ
 رہا تھا نواب صاحب کا فون انجیک تھا جب میں نے پروفیسر جعفر نظام
 سے بات کرنے کے بعد فون ملا یا۔ نواب صاحب کا فون نمبر مل
 گیا۔ میں نے کہا کہ مجھے پروفیسر جعفر نظام صاحب سے بات کرنی ہے
 نواب صاحب نے کہا جعفر نظام میرے اچھے دوست ہیں ان
 کا نمبر نوٹ کر لیجئے۔ پھر پوچھا آپ کون بات کر رہے ہیں
 میں نے اپنا نام بتایا تو فرمایا تیرے ختم میری آواز بھی نہیں پہچان
 پا رہے ہو، کیا ہو گیا ہے تمہیں (میں نے معذرت چاہی) اور
 نیلم زرفشاں کی تقریب میں شرکت کی درخواست کی۔ کہتے لگے
 ضرور آؤں گا۔ محض دعائیں دوں گا تم بہت اچھا کام کر رہے ہو
 اس طرح نواب صاحب ہر موقع پر میری حوصلہ افزائی کیا کرتے ہیں
 گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ تلگوار دو کے مشہور شاعر پدم و بھوشن ڈاکٹر
 سی نارائن ریڈی نے نیلم زرفشاں کی رسم اجراء انجام دی۔ ڈاکٹر سید
 عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو نے صدارت کی۔ پروفیسر جعفر نظام
 سابق وائس چانسلر کاکہ یونیورسٹی ورنگل۔ ایم باگا ریڈی سابق ایم پی

ڈاکٹر علی احمد جلیس، خلیل الرحمن سابق ایم پی، کبیر احمد سابق ڈائریکٹر
 آل انڈیا ریڈیو نے بہ حیثیت بہانان خصوصی شرکت کی تھی جناب
 رئیس خزنہ ناظم مشاعرہ اور مستظم مشاعرہ جناب مومن خان شوق تھے
 نواب صاحب کو اردو شعر و ادب سے کافی دلچسپی ہے ادبی
 ٹرسٹ اور شنکر جی میموریل اکیڈمی کے مشاعروں میں کئی برس
 تک لازماً شرکت کیا کرتے رہے۔ بعض مشاعروں کی صدارت
 بھی کی ہے اب بھی کبھی کبھی شنکر جی مشاعرہ کی صدارت کرتے ہیں۔
 ہمارے شہر کی نامور شاعرہ بانی محفل خواتین و شاداں کلچر
 محترمہ عظمت عبدالقیوم، نواب صاحب کی منہ بولی بہن تھیں۔
 حسن اتفاق سے وہ میری بھی منہ بولی بہن تھیں۔ میں نے جوبلی
 ہال میں شاندار میلے پر جشنِ عظمت عبدالقیوم کا اہتمام کیا تھا
 تقریب کے انعقاد کے سلسلے میں چیف پروموشنر شاداں ایجوکیشنل
 سوسائٹی ڈاکٹر وزارت رسول خان صاحب اور ان کی اہلیہ شاداں
 تہنیت نے بھرپور تعاون کیا تھا اس موقع پر عظمت عبدالقیوم، فن
 اور شخصیت کے زیر عنوان میں نے ایک کتاب شائع کی تھی جس کی
 رسم اجراء اُس وقت کی گورنر آندھرا پردیش کمودین جوشی نے
 انجام دی تھی پروفسر جگن ناتھ آزاد نے صدارت کی تھی۔ میں اُس
 قریب کا کنوینر تھا ادبی تقریب اعلیٰ میاں نے پرستھہ دیوئی تھی

شہر کے تقریباً تمام شاہیر اردو شریک محفل تھے جلسے کے اختتام پر عظمت عبدالقیوم نے اظہارِ تشکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں صلاح الدین تیر کا شکریہ ادا نہیں کروں گی۔ میں اپنے بھائی کا شکریہ کس طرح ادا کر سکتی ہوں۔ میرا ایک بھائی تھا شوکت علی خان کلکٹر، وہ اب ہم میں نہیں رہا۔ لیکن خدا نے مجھے صلاح الدین تیر جیسا بھائی دیا ہے میری دعا ہے کہ میری عمر میرے بھائی صلاح الدین تیر کو لگ جائے۔ اس جلسے پر میری آنکھوں میں آنسو اُمٹ اُٹے۔ عظمت آپا کو مبارکباد دینے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا نواب شاہ عالم خان بھی پہلی صف میں تشریف فرما تھے عظمت عبدالقیوم کے قریب آئے انھیں پڑتیاک مبارکباد دی اور مجھ سے مخاطب ہو کر پُرسرت لہجہ میں کہا۔ تیر میاں۔ عظمت آپا تو میری بہن ہے خوشی ہوئی کہ تم بھی ان کے بھائی ہو۔ نواب صاحب سے ملاقات کے بہت سے ایسے واقعات ہیں جن کے ذکر سے جلد آبادی کو اندازہ ہو جائے گا کہ حیدر آباد نے کیسی کیسی عظیم شخصیتوں کو جنم دیا ہے نواب صاحب اس قدر بااخلاق انسان ہیں کہ جب بھی میں نے ان کے گھر پر فون کیا ان کے لب و لہجہ سے کبھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ میں نے ان کی مصروفیات میں خلل ڈال دیا ہے پوری لگاؤ کے ساتھ گفتگو کیا کرتے ہیں بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ناسازی

مزاج کے باوجود نواب صاحب نے فون پر خوشگوار انداز میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی وضع داری کا ثبوت دیا ہے میں نے جب سمجھی کسی ادبی تفریب میں مدعو کیا ہے صرف فون پر گفتگو کی ہے کبھی ان کے گھر جا کر میں نے دعوت نہیں دی۔ نواب صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں نہیال سنگھ و رمانے بتایا کہ داد و دہش کے معاملے میں بھی غیر معمولی فراخ دل واقع ہوئے ہیں ضرورت مندوں حاجت مندوں کی ممکنہ مدد کرتے ہیں۔ میں اس بات سے بھی واقف ہوں کہ نواب صاحب سگریٹ فیکٹری کے ملازمین و اسٹاف سے اپنے بہترین حسن سلوک کے سلسلے میں بھی شہرت رکھتے ہیں فیکٹری کے تمام ملازمین اور اسٹاف نواب صاحب سے بہترین برتاؤ کے مزاج ہیں۔ آفس کا ماحول پاک و صاف ہے ڈسپلن کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

نواب صاحب کی وعظ داری کی ایک اور مثال پیش کرنا چاہوں گا سال گذشتہ احاطہ گنبد محمد قلی قطب شاہ میں ٹور ازم ڈپارٹمنٹ کی جانب سے شاندار پیما سنے پر مشاعرہ بھی ہوا تھا جس میں حیدر آباد کے نمائندہ شاعر سعید شہیدی، ڈاکٹر علی احمد جلیلی، خواجہ شوق، صلاح الدین تیمر رئیس اختر، علی الدین نوید، حمایت اللہ، مصطفیٰ علی بیگ اور طالب خوند میری نے شرکت کی تھی۔ نواب صاحب صدر مشاعرہ تھے۔ ایک خصوصی رشتہ نشین پر نواب صاحب تشریف فرما تھے جیسے ہی ہم تمام

شہ نشین پر پہنچے۔ نواب صاحب اپنی نشست سے اترے اور
اس کے بڑھ کر ہم سب سے مصافحہ کیا۔ یہ اور اس طرح کے بیسیوں
واقعات ہیں جن سے نواب صاحب کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

نواب صاحب ہمارے شہر کے لئے ایک ایسی کھکشاں ہیں جس کی
جگہ سارے معاشرے کو چپکا چوند کر رہی ہے ایسی پاک و صاف شخصیتیں
شہر میں بہت کم دکھائی دیتی ہیں نواب صاحب کی خوبیوں اور ان
کی شخصیت پر غور کرتا ہوں تو مجھے محبوب حسن جگر (جو اینٹ ایڈیٹر
سیاست) کی ایک بات یاد آتی ہے۔ جگر صاحب نے اخبار سیاست
کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی یہ سبھی جانتے ہیں کیسے لوگوں
سے انہیں سابلے نہ پڑا ہوگا۔ کسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے
فرمایا تھا شہر میں شریف لوگ بہت کم رہ سکتے ہیں اور جب نواب
صاحب جیسی شخصیت کا ذکر آتا تو وہ بے حد مسرت محسوس کرتے۔
نواب شاہ عالم خان صاحب ان شرفائے حیدر آباد میں سے
ایک ہیں جن کا نام شرفائے حیدر آباد کی اولین فہرست میں بہت
زیادہ نمایاں ہے۔

خدا نواب صاحب کو سلامت رکھے ۛ

سید ہاشم علی اختر

نامور دانشور، صاحبِ قسط اس وقت قلم بہترین اڈمنسٹریٹر

جب کبھی میں اپنی زندگی کے اوراق الٹنے لگتا ہوں تو کچھ ایسی شخصیتیں بھی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو مثبت افکار کی نثر جانی کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ میری ادبی و تہذیبی زندگی کے ۴۰ برس بے شمار واقعات و حادثات، تجربات و مشاہدات کے آئینہ دار رہے ہیں۔ بہت سے نام ایسے ہیں جو میری دل کی تختی پر صبح درختاں اور موسم بہاراں کی طرح آویزاں ہیں مجھے اپنی زندگی کے طویل سفر میں کچھ ایسی شخصیتوں سے بھی ملنے کا موقع ملا ہے جن کا وجود آبِ رواں کی طرح ہر ضرورت مند شخص کے لئے فیض جاریہ کی صورت میں نمایاں رہا۔ ہمارے شہر عظمتِ نشان نے ہر دور میں کچھ ایسے محل و گھر کو بھی جنم دیا ہے جن کی چمک اور روشنی، معاشرہ کی ہر سطح کو پُر نور کرتی رہی ہے جہاں

کہیں بھی اعلیٰ مرتبت دانشوروں کی بات نکلتی ہے تو ممتاز عثمانین جناب ہاشم علی اختر کا نام بھی سرِ فہرست موجود یا کمالوں کے ساتھ نمایاں حیثیت سے دکھائی دیتا ہے۔

ہاشم علی اختر صاحب سے میری پہلی ملاقات شدید ادارہ ادبیات اردو کے ایک مشاعرہ میں ہوئی تھی جس میں ممتاز ترقی پسند شاعر و ادیب سجاد ظہیر نے شرکت کی تھی۔ یہ مشاعرہ ڈاکٹر محمد محی الدین قادری زور تے نامور ترقی پسند شاعر جناب سجاد ظہیر کے اعزاز میں منعقد کیا تھا شہر کی نمائندہ شخصیتیں شعروادب سے وابستگی ہے شریکِ محفل تھیں۔ شہر کے نامور شاعروں نے کلام سنایا تھا اُس دور کے نئے شاعروں میں مجھے بھی غزل سنانے کا اعزاز حاصل ہوا تھا مجھے یاد ہے کہ میں نے یہ غزل سنائی تھی۔

م تش غم سے خوش نصیب چلے : دور رہ کر بہت قریب چلے
م تش گل سے کیا شکایت ہو : اپنے غموں سے عندلیب چلے
صبح کی تازہ روشنی کے لئے : رات بھر شاعر و ادیب چلے
اوپر محلوں کی روشنی کے لئے : اجنبی شہر میں غریب چلے
اپنی محفل میں تم کو پا نہ سکے : ہم بھی ہیں کس قدر نصیب چلے
آگ بجھ کر نہ سمجھ دھواں ہی اٹھا : عمر بھر یوں ہی غم نصیب چلے
شبح کی طرح نکلتا بھر تبیر : اُن کی محفل میں غم نصیب چلے
جس کو سجاد ظہیر صاحب نے بے حد پسند کیا تھا دو تین شعر تو انہوں نے

دوبارہ پڑھوائے تھے۔ ایک نوجوان شاعر کے لئے سجاد ظہیر صاحب کی داد و تحسین، حوصلہ افزائی کی سوجاں تھی۔ دوسری ملاقات برگیلڈ پر سعید صاحب کے دولت خانہ پر عشا ئیہ اور محفلِ شعر و سخن میں ہوتی تھی۔ یہ بات تقریباً ۳۵ برس پہلے کی ہے اس عشا ئیہ اور مشاعرہ میں مشہر کی منتخب شخصیتیں مدعو تھیں۔ خاتونِ شعراء میں نامور شاعرہ عظمت عبدالقیوم اور نئی نئی صحافی مدیر خاتون دکن صالحہ الطاف بھی تھیں۔ اس دوسری ملاقات کے بعد ہاشم علی اختر سے ادارہ ادبیات اردو اور انجمن ترقی اردو کے جلسوں اور جلیا علی خان کی رہائش گاہ پر منعقدہ مخصوص محفلِ شعر و سخن میں ملاقات ہوتی رہی۔ پھر وہ جب سکریٹریٹ میں ایگزیکشن ڈپارٹمنٹ اور کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ ڈپارٹمنٹ میں بہ حیثیت سکریٹری مامور ہوئے تو ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ سکریٹریٹ میں ڈی سینیو پارٹنری صاحب کی چیف منسٹری کے زمانے میں وہ جنرل اوڈنٹیشن ڈپارٹمنٹ کے شعبہ پولیٹیکل کے ڈپٹی سکریٹری تھے۔ اس زمانے میں بھی انہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو نبھایا۔ سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کے بعض ادبی تقاریب میں انہیں میں نے مدعو کیا تھا وہ نائب صدر اسوسی ایشن تھے سکریٹریٹ میں ہاشم صاحب سے سکریٹریٹ اردو اسوسی ایشن کی ادبی سرگرمیوں کے سلسلے میں ملاقات ہوا کرتی تھی سیاست میں کبھی کبھی ان کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے سیاست میں شائع شدنی

مسما میں کے سلسلے میں بھی ملاقات ہوتی تھی۔ اکثر دفعہ مجھ سے کہتے کہ میں قلم کا مزدور ہوں "ہاشم علی اختر صاحب نہایت اعلیٰ درجہ کے اڈمنسٹریٹر اور باصلاحیت اعلیٰ آفیسر رہے ہیں سرکاری ملازمت اختیار کرنے سے پہلے سٹی کالج میں پکھڑا رہے۔ آڈلے ایس ہونے کے بعد سکریٹریٹ سروس سے وابستہ ہوئے۔ پندرہ اپریل ۱۹۴۷ء کے بعض اضلاع پر ضلع کلکٹر رہے بعض محکموں میں کمشنر رہے مینجنگ ڈائریکٹر رہے سکریٹریٹ کے مختلف محکموں میں بہ حیثیت ڈپٹی سکریٹری، جو اینڈ سکریٹری، پرنسپل سکریٹری کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ پھر عثمانیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں وائس چانسلر کے عہدہ پر فائز رہے۔ ایک ملاقات میں مجھ سے فرمایا کہ جاموہ عثمانیہ کی وائس چانسلری میرے لئے ایک چیلنج تھی۔ یونیورسٹی کے حالات ناگفتہ بہ تھے۔ طلبہ ہی نہیں اساتذہ بھی مسائل میں گھرے ہوئے تھے لیکن بیشتر مسائل ان کے خود کے پیدا کردہ تھے اڈمنسٹریشن کا مسئلہ غیر اطمینان بخش تھا میں نے حکمت عملی سے طلبہ کے تفریب و اجبی تمام مسائل کی بیکسٹوٹی کی۔ اسی طرح ایسے تمام اساتذہ جو تعصب، تنگ نظری، آپسی اختلافات اور گروہ بندی کا شکار تھے۔ ان کے ساتھ اصولی طور پر کچھ اس طرح سلوک کیا کہ انہیں پھر اپنے حقوق سے محرومی کا گلہ نہ رہا۔ جب میں وائس چانسلر بن کر عثمانیہ یونیورسٹی کی باگ ڈور سنبھال تو طلبہ کے ایک منتخب گروپ نے مختلف قسم کی رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوششیں کیں

لیکن میں نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ پامردی کے ساتھ بلا خوف و خطر حالاً کا مقابلہ کیا اور میں نے پُر سکون انداز میں اپنے فرائض انجام دیے۔ ہر قسم کی ریشہ دوانیوں اور زہر آلود فضا کو ناپید کر دیا۔ ہاشم صاحب گفتگو جاری رکھتے ہوئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی وائس چانسلری کے زمانے کے مختلف واقعات بیان کیے۔ وہاں بھی انہیں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ پہلے کی طرح خدا کی امان میں رہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اکھڑے ہوئے ماحول کو بہتر بنانے میں انہیں کافی محنت کرنی پڑی لیکن انہوں نے بالآخر حالات کو سدھار کر ہی دم لیا۔

رسم الخط کے مسئلہ پر بعض اُردو حلقوں میں ان کی شخصیت نزاعی بن گئی تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ بادل چھٹ گئے۔ ادارہ ادبیات اُردو کے صدر نشین رہے۔ ہاشم علی اختر ممتاز ترک وطن ہرگز نہ کرنے اگر ان کی اہلیہ محترمہ انہیں داغِ مفارقت نہ دیتیں۔ اُن کے انتقال کے صدے نے ان کے وجود کو ہل کر رکھ دیا تھا۔ اہلیہ کے انتقال کے کچھ ہی دنوں بعد وہ ہمیشہ کے لئے امریکہ (شکاگو) منتقل ہو گئے جہاں ان کے صاحبزادہ اور صاحبزادی ہیں۔ ہاشم علی اختر صاحب کے ترک وطن سے ہماری محفلوں کی سرگرمیاں متاثر ہوئیں۔ ادارہ ادبیات اُردو کی صدارتی ذمہ داری پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کالج یونیورسٹی (ورنگل) کو سونپی۔ تقریباً ۱۴ برس سے وہ امریکہ میں مقیم ہیں اور امریکہ کے مستقل شہری بن گئے ہیں ہاشم علی صاحب گذشتہ سال کچھ دنوں کے

لئے حیدر آباد آئے تھے پہلے اُن سے فون پر گفتگو رہی اور پھر ایک ادبی اجلاس میں ملاقات ہوئی۔ وہی اندازِ گفتگو وہی لب و لہجہ وہی طرزِ تکلم رہا جو پہلے تھا ہر چاہنے والے کو اپنے خلوص و محبت سے سرشار کرنے رہے امریکہ جانے سے پہلے جب وہ حیدر آباد میں تھے۔ میں انھیں اپنے شعری مجموعوں کی رسم اجراء تقریب میں مدعو کرتا رہا۔ وہ بہ خوشی شرکت کرنے ہوئے میری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ہاشم علی اختر صاحب مجھے بے حد عزیز رکھتے ہیں میری شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی مشورہ دیتے کہ میں اپنا کلام ہندی رسم الخط (دیوناگری) میں چھپواؤں تاکہ زیادہ سے زیادہ ہندی والے میری شاعری پڑھ سکیں۔ اردو زبان اور ہندی کے بارے میں مختلف اوقات میں اُن سے گفتگو ہوا کرتی تھی وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ اگر اردو شاعروں اور ادیبوں کی کتابیں ہندی رسم الخط میں شائع ہوتی رہیں تو اردو کا نقصان نہیں ہے آپ کا اصل مجموعہ کلام اردو رسم الخط میں موجود ہے لیکن اس کے پڑھنے والے محدود ہیں۔ ہندی رسم الخط میں بھی کلام شائع ہو تو ہزاروں نہیں لاکھوں ہندی جاننے والے آپ کے کلام کو پڑھیں گے۔ میں یہ بات اس لئے کہ رہا ہوں کہ یوپی اور بہار کے علاقوں میں مسلمان بچے ہندی پڑھ رہے ہیں۔ اردو نہیں۔ میں نے اپنی کتابوں کی رسم اجراء تقریب کے علاوہ بعض خالص ادبی جلسوں میں بھی ہاشم علی اختر صاحب کو مدعو کیا ہے۔ وہ اگر فرصت میں ہوتے تو ضرور شرکت کرتے تھے

میں نے انہیں یادِ عظمت عبدالقیوم کی ایک سالانہ تقریب میں بھی مدعو کیا تھا جو دس برس پہلے عظمتِ نشان آڈیٹوریم (مشاواں کالج) میں منعقد ہوئی تھی۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب سے ان کے گہرے مراسم تھے آپس میں بہترین دوست تھے۔ مجھے یاد ہے کہ عابد علی خان صاحب جب بھی مخاطب کرتے سمجھتے ہاشم! اسی طرح ہاشم علی اختر صاحب عابد کہتے۔ کبھی بھی انہوں نے پورے نام ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر ایک دوسرے کے قریب تھے سکریٹریٹ کی ملازمت کے زمانے میں ہاشم علی اختر صاحب کی جرات مندانہ فیصلے کر چکے ہیں۔ ہاشم علی اختر صاحب کا ترک وطن کرنا بھی شہر حیدر آباد کے لئے ایک المیہ ہی ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کے دانشور سے خاص طور پر اردو کی محفلوں میں بے حد کمی محسوس کی جا رہی ہے امریکہ میں بھی ہاشم علی اختر صاحب کا علمی و ادبی کام جاری ہے وہاں کی علمی و ادبی محفلوں کو وہ اپنے فکر و خیال کی خوشبو سے مہکا رہے ہیں۔ میں سکریٹریٹ میں سکشن آفیسر تھا اور وہ پرنسپل سکریٹری۔ ان کے بڑے تفاوت کے بعد بھی یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ ہاشم علی اختر صاحب ملاقات سے گریز کر رہے ہیں ان کے ملنے کے انداز تمام ملنے والوں سے یکساں نہ تھا تھا۔ وہ جہاں بھی رہیں۔ میری خواہش ہے گی کہ ان کے دل و دماغ میں ہمارے شہر کی خوشبو بسی رہے اور ہم حیدر آبادی ہمیشہ ان کی آنکھوں پر سرمہ نظر بن گئے رہیں ۛ

ولی قادری

ولی صفت اسم یا مسمیٰ بے مثال بختیئر، وضع دار شخصیت

شہر کے برگزیدہ مشائخ خاندان سے تعلق رکھنے والے بے شمار صاحبان علم و عرفان، ملی و دینی خدمت گزار ہر دور میں رہے ہیں اور آج بھی اس طرح کے علمین کی اہمیت کو اجاگر کرنے والے علمائے کرام موجود ہیں اس سلسلہ فیضان کے رنگ میں ڈوبے ہوئے کچھ ایسی شخصیتیں بھی ہیں جو دنیوی رنگ میں ڈھلتے ہوئے بھی اپنے اپنے انداز سے دین و ملت کی خدمت میں مصروف ہیں۔

نامور بختیئر ولی قادری صاحب ایسے ہی علمائے دکن میں سے ایک ہیں جو اپنے طریقوں سے دینی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ شاید یہ بات کم لوگ جانتے ہوں گے کہ ولی قادری صاحب نے بیسیوں مساجد کی تعمیر کے سلسلے میں اپنی بہترین خدمات انجام دی ہیں۔ خدمات کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اپنے پیشے کے ساتھ نہایت

مانت داری بر تفتے ہوئے علمی و فلاحی خدمات کے لئے بھی وقت
 کال لیتے ہیں ان ہی کے خاندان میں نامور نعت گو شاعر عالم دین
 ولانا شیخ احمد شطاری کامل بھی گزرے ہیں۔ ولی قادری صاحب
 ہزارے شہر کی یہ شمار عالیشان عمارتوں کے انجمنہ رہ چکے ہیں
 ملی و ادبی اداروں جیسے اردو گھر وغیرہ کے انجمنہ کی حیثیت سے
 بھی خدمات انجام دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں وہ نہایت
 تجربہ کار انجمنہ ہیں۔ فن تعمیر کی نزاکتوں نے ہی ان کو اپنے پیشے
 میں اعلیٰ صلاحیتوں سے سرفراز کیا ہے ایسا نہیں ہے کہ ولی قادری
 صاحب فن تعمیر کی ندرتوں سے ہی واقف ہیں بلکہ زندگی کے
 بعض خوشگوار اور ذہنی سکون دینے والی مصروفیات سے بھی
 وابستہ ہیں۔ شاید بہت سے لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہو گا کہ ولی قادری
 صاحب شاعر بھی ہیں وہ ایک کہنہ مشقی شاعر ہیں لغتیں بھی
 کھنٹے ہیں منقبتیں بھی اور غزلیں بھی۔ لیکن صرف خاص خاص محفلوں
 میں بڑے اصرار پر کلام سناتے ہیں ولی قادری صاحب منکسر المزاج، کم گو
 خاموش طبع، بے حد شریف اور با اخلاق انسان ہیں۔ ان کے رہن کامیاب اور
 ان کی پوشاک سے نہ تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا تعلق مشائخ خاندان سے
 ہے اور نہ ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انجمنہ نگ کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں
 لقائے قات سے یہ تاثر بھی چھوڑے جالتے ہیں کہ وہ ضرورت سے زیادہ

شریف آدمی ہیں (واقعاً ہیں بھی) وہ اکثر دفعہ شرٹ اور تیلون میں لپٹتے ہیں کبھی کبھی شہروانی پہنتے ہیں۔ میں نے کبھی بھی انہیں برہنہ سر نہیں دیکھا جناح کباب پہنے رہتے ہیں انتہائی دین دار پابند صوم و صلوات اللہ والے انسان ہیں۔ ولی قادری صاحب کا ہاتھ مستحق لوگوں کے لئے بہت کشادہ رہتا ہے کئی دینی، علمی اداروں کی رقی اعانت کرتے ہیں ان کے آفس میں اگر کسی کو جلنے کا اتفاق ہو تو وہ دیکھیں گے کہ کوئی نہ کوئی ضرورت مند شخص وہاں موجود ہے اور ہر ایک شخص ان کے بہترین سلوک سے متاثر ہوتا ہے ولی قادری صاحب کو میں نے کئی مشاعروں میں شرکت کے لئے زحمت دی ہے خاص طور پر ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے مشاعروں میں وہ شرکت کرتے ہیں یاد عظمت عبدالقیوم کے سالانہ ادبی اجلاس و مشاعرہ میں نہ صرف شرکت کرتے ہیں بلکہ اپنے کلام سے سرفراز بھی کرتے ہیں سمیعی صدر مشاعرہ کی حیثیت سے اور کبھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے مشاعرہ کی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ میں نے ولی قادری صاحب کا کلام ”خوشبو کا سفر“ میں بھی شائع کیا ہے اخبار ”سیاست“ میں ان کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے نہایت قابل احترام شخصیت کے مالک ہیں ہر چھوٹا بڑا ان کی تعظیم کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے ان کا کلام سہلی ممتنع میں ہوتا ہے وہ غیریہ شعریوں کہ نعتیہ کلام، منقبتیں ہوں کہ غزلیں، پیراشر ہوتی ہیں۔

اپنی شاعری پر عبور رکھتے ہیں۔ دلی قادری صاحب نہایت وضع دار
 حیدر آبادی تہذیب کی ایک نمائندہ شخصیت ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے
 انجینئر ہوتے ہوئے بھی ان کے ہاں غرور نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔
 نہایت سادہ طبیعت، پاک و صاف آئینہ کی طرح، معاشرہ کے ایک
 اہم فرد ہیں لگ بھگ ۸۰، ۸۲ سال کی عمر ہوگی لیکن پھر بھی چاق و
 چوبند دکھائی دیتے ہیں اپنے پیشہ سے وابستہ رہ کر دینی و ملی خدمات
 انجام دے رہے ہیں۔ دلی قادری صاحب بیسیوں اصحاب کی طرح
 میرے بھی محسن ہیں میرا دوسرا بیٹا سراج الدین سلیم جی انوار العلما
 کالج سے بی ایس سی کرنے کے بعد اپنے بہترین مستقبل کی تلاش میں تھا
 اور اس کی یہ خواہش تھی کہ وہ شعبہ انجینئرنگ سے وابستہ ہو کر
 انجینئرنگ میں ڈپلوما کورس کی تکمیل کرے میں نے ایک دفعہ دلی قادری
 صاحب کو سلیم کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور خواہش کی کہ اپنی
 سرپرستی میں لیں۔ دلی قادری صاحب نے شاعر نوازی کرنے ہوئے
 فی الفور سلیم کو ملنے کے لئے کہا اور اس کو شعبہ انجینئرنگ سے وابستہ
 رکھ کر بہت کچھ سکھایا۔ میرے فرزند نے انجینئرنگ میں ڈپلوما
 حاصل کیا۔ ڈپلوما کی بنیاد پر اس کو سعودی عرب میں ملازمت مل
 گئی دو سال تک ملازمت کے بعد حیدر آباد آکر اپنے جمع کیے ہوئے
 سرمائے سے بزنس شروع کیا اور آج الحمد للہ ٹرانسپورٹ کے کاروبار

میں مصروف رہ کر اپنے کاروبار کو ترقی دے رہا ہے بے حد مطمئن ہے
 مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں اگر میرے کسی دوست یا کسی خاص
 واقف کار کو ولی قادری صاحب سے صلاح و مشورہ مقصود ہو تو میں
 نے اُن سے تعاون حاصل کیا ہے وہ اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت
 نکال کر ادبی محفلوں میں بھی شرکت کرتے ہیں شہر کی اپنی نوعیت کی ایک
 خاص محفل شعر و سخن ایوانِ پرنس معظم جاہ شجاع کے کئی مشاعروں میں
 جہاں خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے ولی قادری صاحب سے
 ملنے کے بعد کوئی بھی شخص یہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ ان میں جس مزاح
 بھی قدرت نے ودیعت کی ہے۔ میں نے قادری صاحب کا مزاحیہ
 کلام بھی سنا ہے ماہنامہ شگوفہ میں پڑھا بھی ہے۔ ولی قادری صاحب
 ہمارے شہر کے صفِ اول کے نامور شہرپوؤں میں شمار کئے جاتے ہیں
 جس کی محفل کے لئے چاہے وہ سرکاری ہو کہ غیر سرکاری، علمی و ادبی ہو
 کہ فلاحی و تہذیبی، مدعوین کی فہرست ترتیب دی جاتی ہے تو اُس میں
 ولی قادری صاحب کا نام بھی نمایاں رہتا ہے ولی قادری صاحب بہت
 کم گواناں ہیں نرم لہجے میں گفتگو کرتے ہیں گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ
 ضرورت سے زیادہ گفتگو انہیں پسند نہیں ہے۔ سوچ سوچ کر
 صحیح الفاظ استعمال کرنا ان کے طرزِ تکلم کا خاص وصف ہے ولی قادری
 صاحب مروت و شرافت کے پیکر ہیں اپنے آفس کے کاموں میں

زیادہ معروف رہنے کے باوجود اگر کسی خاص ملاقاتی، دوست، رشتہ دار کا کام فی النور توجہ طلب ہو تو اس شخص کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں میں خود اپنا ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں میں محلہ لمی پل میں اپنے ایک دو منزلہ مکان میں مقیم ہوں۔ ایک دن گھر کے تمام افراد نے یہ دیکھا کہ کچھ کمروں کی دیواروں سے پانی برس رہا ہے تو بے حد پریشان ہوئے۔ میں ولی قادری صاحب کے آفس پہنچا اور اپنی پریشانی کا حال سنایا۔ اس وقت وہ گتہ داروں سے کسی اہم مسئلہ پر محو گفتگو تھے ان سے ۱۵ منٹ کی اجازت لے کر میرے گھر آئے اور پھر بعد معائنہ کچھ مشوروں سے نوازا اور ہماری موقفی پریشانی کو دور کر دیا۔ مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ ان کے قریب ترین دوستوں میں کون کون اہم شخصیتیں رہی ہیں اور اب بھی ہیں لیکن جہاں تک میری معلومات ہیں جناب عابد علی خان صاحب مدیر سیاست سے ان کے گہرے مراسم تھے ولی قادری صاحب، عابد علی خان صاحب کے گھر کی ہر چھوٹی بڑی دعوت (عشائیر) میں موجود رہتے تھے ڈاکٹر مسید عبدالمنان اور نواب شاہ عالم خان صاحب سے بھی ان کے اچھے خاصے مراسم ہیں۔ ولی قادری صاحب ایک ذی مرتبت شخصیت کے حامل ہیں ایسی شخصیتوں سے بے شمار غرض مند استفادہ کرتے رہتے ہیں شعبہ انجینئرنگ میں سنیکرٹوں نوجوان ان کے زیر سایہ تربیت حاصل کر کے اپنے روشن

مستقبل کے قابل بن گئے ہیں باہر کے ملکوں میں بھی اپنے ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔ ولی قادری صاحب سے میری ملاقات بہت کم بیوٹی ہے لیکن جب بھی مجھے کسی مشاعرہ میں مدعو کرنے کا خیال آتا ہے تو فون پر مدعو کرتا ہوں وہ وقت مقررہ پر تشریف لاتے ہیں۔ مولانا شیخ احمد شطاری کمال کی رہائش گاہ میں ولی قادری صاحب کی زیر نگرانی منعقدہ نعتیہ مشاعرہ میں میں کلام سنا چکا ہوں جس میں میری نعت کے اس شعر کو ۷۷ دفعہ پڑھایا گیا ہے

شرمندگی ہے سر کو تھکاتے کھڑا ہوں میں

معصیاں کا سب حجاب میری چشمِ تر میں ہے

جناب ولی قادری شہر کی معیاری ادبی انجمنوں کے جلسوں میں شرکت کیا کرتے ہیں میں نے انجمن ترقی اردو، ادارہ ادبیات اردو کے اکثر جلسوں اور مشاعروں میں انہیں شریک ہوتے دیکھا ہے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریب میں ولی قادری صاحب کا بھی عملی تعاون حاصل رہتا ہے۔ ادارہ میر اشہر میرے لوگ کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے اس ادارہ کے زیر اہتمام اُجالوں کے مسافر کے زیرِ عنوان مولانا ابوالکلام آزاد انسٹیٹوٹ میں شایانِ شان پیما یفے پیرؒ ولی قادری صاحب کی علمی و ادبی فلاحی و تہذیبی، دینی و ملی خدمات کے اعتراف کے لئے تقریب منعقد

کی گئی تھی۔ ان کے اعترافِ خدمات کا ایک اور بڑا اہم شہر بیانِ حیدر آباد
کی جانب سے ۲۹ جنوری کو اندرا پر یہ درشنی میں بھی ہوا تھا۔

شہر میں ولی قادی صاحب جیسے دیانتدار و صنیع دار اور شریف
لوگ بہت کم رہ گئے ہیں۔ یہ ایسی خوبیوں کے حامل شخصیت ہیں
کہ جن کی توقیر و تکریم کے لئے خود یہ خود سر جھک جاتے ہیں۔ خدا ان
کی عمر دراز کرے اور ان کے فیض مسلسل سے ہر حاجت مند مستفید
ہوتا رہے۔

ڈاکٹر راج بہادر گوڑ

(نخوش مزاج ادیب، باکردار انسان)

بہت سے ایسے لوگ بھی ہمارے معاشرہ کا ایک حصہ بن گئے ہیں جن کا نام و نمود اور شہرت کے لئے نت نئی کارستانیوں اور نئے نئے ہتھکنڈے سے کام لیتے ہوئے ایسا کچھ کر جاتے ہیں کہ جس کو بہذب معاشرہ قبول نہیں کرتا اور ایسے بھی لوگ ہیں جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہونے کا احساس دلانے کے لئے اپنی عزت و آبرو اور اپنے ضمیر کا سودا کرتے ہیں لیکن اسی معاشرہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ملتے ہیں جو نہ صرف دولت و شہرت کو ہی ٹھکرا دیتے ہیں بلکہ اپنی اصول پسندی دیانت داری، اپنے مسلک اور اپنے طریقہ زندگی پر تادم زیت قائم رہتے ہیں اور ان کے طرز معاشرت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سیدھے سادھے اور کھرے لوگ ہیں جن کی زندگی میں کسی بھی قسم کا جھول نہیں ہے کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے اور جن کی زندگی کا ایک ایک پل خدمتِ خلق، مستحق لوگوں کی بھلائی اور انسانی اقدار کی پاسداری

میں مصروف رہا کرتا ہے۔ ان ہی لوگوں میں سے ایک اعلیٰ حیثیت رکھنے والے بامروت، آئینہ مثال، انسانیت دوست شخصیت ڈاکٹر راج بہادر گوڑ کی بھی ہے۔

ڈاکٹر راج بہادر گوڑ ایم بی بی ایس ہونے کے باوجود عوامی زندگی سے جڑ گئے ہیں عوام کی خدمت کے لئے وقف ہو چکے ہیں ایک ٹریڈ یونین اہم لیڈر کی حیثیت سے بھی وہ ملک بھر میں شہرت رکھتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے اپنی طویل زندگی میں ہزاروں مصیبت زدگان بے گناہ بے سہارا مجبوروں اور محتاجوں کی مدد کی ہے ان مظلوموں کی آواز اور ان کے کرب مسلسل کو حکومتوں کے ایوانوں اور معاشرہ کے ان لوگوں تک پہنچایا ہے جن کی نا انصافی اور ظلم و تشدد کی زد میں رہ کر مجبور و بے بس لوگ اپنی زندگی گزار رہے ہیں ڈاکٹر راج بہادر گوڑ خاص جید آبادی تہذیب و معاشرت کے نمائندہ ہیں ان کے طرز معاشرت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جید آبادی کی گنج گنجی تہذیب کے پیروندہ اور اس تہذیب کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں ڈاکٹر صاحب کو اردو زبان، اردو ادب اور اردو تہذیب سے دیرینہ وابستگی ہے شہر کے لوگوں سے لگاؤ ہے ان کے دکھ اور سکھ سے باخبر رہتے ہیں وہ چلے جاتے ہیں کہ ہر انسان اپنے پرسکون لمحات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے خوش ہے دوسروں کا دست نگر نہ رہے اس کو اپنی محنت کا پورا صلہ ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اردو تحریک سے برسوں سے وابستہ ہیں

بہت سی علمی و ادبی انجمنوں اور اداروں سے ان کا تعلق ہے اردو
 زبان کے عاشق ہیں۔ وہ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے
 سربراہ ہونے کے ناطے اپنے رفقاء کے کار کے ساتھ اردو کے بہت سے
 حل طلب مسائل کے لئے ہر دور کی حکومتوں سے نمائندگی کرتے رہے
 ہیں ڈاکٹر صاحب کی پوری زندگی حرکیاتی اور فعال رہی ہے ان کی
 گفتار اور ان کے کردار میں یکسانیت ہے انہوں نے ہمیشہ سبائی کا
 ساتھ دیا (ساتھ دے رہے ہیں) عمر کے اس آخری حصہ میں بھی ان
 کی سرگرمیاں اردو زبان و ادب کے لئے ہی تھیں عوام کی خدمات
 کے لئے بھی جاری ہیں ڈاکٹر صاحب سے میں چار دہوں سے واقف ہوں
 بلکہ ان کے مداحوں میں سے ہوں، دھلی ہوئی سفید چادر کی طرح ان کا
 دامن پاک ہے میں اکثر ادبی جلسوں اور مشاعروں میں ڈاکٹر صاحب
 کے ساتھ رہا ہوں ڈاکٹر صاحب ایک باکمال دانشور ہی نہیں ہیں
 بلکہ اردو شعر و ادب پر ان کی گہری نظر ہے بہترین مبصر و نقاد ہیں
 اعلیٰ مقرر ہیں ان کی تقریر سننے کے لئے شکر کا مے مٹھلے بے چین لہجے
 ہیں ڈاکٹر صاحب تقریر کے دوران بعض مزاحیہ و طنزیہ جملے بے ساختہ
 روانی کے ساتھ کہتے ہیں جن سے ان کی تقریر کا رنگ دو بالا ہو جاتا ہے
 پُر اشرب و لہجہ سے سامعین کو اپنا گرویدہ بنالیتے ہیں کوئی بھی
 مسخرہ کیوں نہ ہو صاف صاف غلطیوں میں سنبھالتے ہیں ڈاکٹر صاحب
 کو اردو ادبیات کا گہرا مطالعہ انہوں نے اپنے مشاہدات اور تجربات کو اپنی

فکر و خیال کی جولانیوں سے ہم آہنگ کر دیا ہے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں پرستار ہیں خود ڈاکٹر صاحب بھی بے شمار لوگوں کو چاہتے ہیں لیکن ان کی پسند کا بھی ایک معیار ہے مخدوم صاحب کے غیر معمولی مداح ہیں شاید ہی ان کی کوئی تقریر ہوتی ہے جس میں مخدوم محی الدین کا ذکر نہ کرتے ہوں۔ اسی طرح جناب عابد علی خان صاحب اور جناب محبوب حسین جگر سے ان کے دیرینہ مراسم تھے مختلف موضوعات پر سیاست میں ڈاکٹر صاحب کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں شعری وادبی کئیوں پر تبصروں میں اعتدال ہی نہیں ایک خوشگوار توازن بھی برقرار رہتا ہے ان کا قلم اکثر دفعہ قلم کاروں کی حوصلہ افزائی کے لئے بھی حرکت میں آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کئی برسوں سے انجمن ترقی اردو آئندہ رپورٹیشن سے وابستہ ہیں اس وقت وہ انجمن کے نائب صدر ہیں انجمن کے تمام مسائل سے واقف ہیں انجمن کی نیک نامی کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا ہے آج بھی انجمن کے لئے ان کی حیثیت ایک سائبان کی سی ہے ڈاکٹر صاحب نے میری بہت سی کتابوں پر تبصرہ کیا ہے جو سیاست میں انہماک کے ساتھ شائع ہوئے ہیں میری کتابوں کی رسم اجراء تقریب میں بھی اپنے بہترین خیالات سے میری پذیرائی کی ہے کچھ عرصہ پہلے میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا جوائنٹ سکریٹری تھا اور ممتاز شاعر جناب راشد آذر سکریٹری تھے ہم انجمن کی سرگرمیوں اور مختلف پروگرام کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا کرتے تھے ڈاکٹر صاحب انجمن کے سرپرست ہیں تقریباً

۶ سال تک میں اور راشد آذر انجن ترقی پسند مصنفین سے وابستہ رہے۔ ہم نے اپنے زمانے میں انجن کی ادبی سرگرمیوں کو بلندی پر پہنچایا تھا ہم نے ۲۲ جنوری ۱۹۸۹ء کو گاندھی بھون میں اپنے رفقاء کے کار کے تعاون سے عظیم الشان پیمائش پر کانفرنس منعقد کی تھی جس میں ڈاکٹر صاحب کے مشورہ سے نامور ترقی پسند شاعر ادیب علی سردار جعفری اور ممتاز دانشور جناب عابد حسین صاحب کو مدعو کیا تھا ڈاکٹر صاحب اردو زبان کی ترقی و بقا کے لئے وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو ان کے بس میں ہے ڈاکٹر صاحب قیام ادبی ٹرسٹ ۱۹۶۶ء سے ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی ہیں (میں بھی قیام ادبی ٹرسٹ سے اعزازی آفس سکریٹری کی حیثیت سے وابستہ ہوں) آج بھی اپنی ڈارلیوں کو نبھار رہا ہوں جناب عابد علی خان صاحب مینجنگ ٹرسٹی تھے اب جناب زاہد علی خان صاحب مینجنگ ٹرسٹی ہیں ڈاکٹر سید عبد المنان اس وقت ادبی ٹرسٹ کے صدر نشین ہیں ڈاکٹر راج بہادر گوڑا اپنے تجربات اور اپنے طریقہ کار کی روشنی میں ٹرسٹ کے ہر مسئلہ کے حل کے لئے مخلص معاون ثابت ہوئے ہیں شہر کی کچھ اور ادبی انجمنوں سے بھی ڈاکٹر صاحب وابستہ ہیں ڈاکٹر صاحب کی عمر لگ بھگ ۸۰ برس کی ہوگی اس سیرانہ سالی میں بھی وہ نوجوانوں کی طرح علمی و ادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے ہیں اور ایک ٹریڈ یونینسٹ ہونے کے ناطے مسلم ج کے ستائے ہوئے عوام کی داد رسی کے لئے بھی بہت زیادہ وقت دیتے ہیں ان کے

اردو دوستوں میں برصغیر کے تقریباً تمام اہم شاعر و ادیب شامل ہیں
 صف اول کے قدردان اردو زبان و ادب اور پرستار ان شعر و سخن کی
 حیثیت سے بھی ان کا نام لیا جاتا ہے حیدر آباد میں اردو تحریک کے وہ ہمیشہ
 سربراہ رہے سرکاری سطح پر ہو کہ عوامی سطح پر ہوا اردو کے کاز کے لئے
 پیش پیش رہتے ہیں ڈاکٹر صاحب وقت کی بڑی قدر کرنے والے ہیں ادبی
 ہو کہ عوامی جلسے وقت پر آتے ہیں اور جلد ختم ہونے تک تشریف فرما
 رہتے ہیں بے شمار سمینار، سمپوزیم اور ادبی مجالس میں حصہ لے چکے ہیں
 مشاہیر اردو کی زندگی اور ان کی ادبی خدمات پر مقالے پڑھ چکے ہیں
 ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے ادبی مطالعہ ۶۱۹۷۸،
 ادبی جائزے ۶۱۹۹۰، ادبی تناظر ۶۱۹۹۳، TRI COLOUR —

YLY OVER HILLS — مخدوم —
 جن کو ملک کی بعض اردو اکیڈمیوں نے ایوارڈ سے نوازا ہے ڈاکٹر صاحب
 نوجوان شاعروں، ادیبوں کی سرپرستی میں فراخ دلی سے کام لیتے ہیں
 مجھے اردو ہال کے ایک مشاعرے کی یاد آ رہی ہے مشاعرہ جاری تھا میں کسی
 سے ملنے کے لئے ہال کے باہر آیا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ کہاں جا رہے
 ہو لوگ تمہیں سنا چاہتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب
 کون سے شاعروں سے کس قدر دلچسپی ہے خاص طور پر اردو، ہندی
 اور تنگوشااعر و ادیب ان کا عظمت و بڑے محترق ہیں۔ تنگوشااعر
 ڈاکٹر داسر تھی سے ان کے گہرے مراسم تھے پدم و جھوشن ڈاکٹر سی ناما

ریڈی سنار سے بھی ان کی بہت اچھی دوستی ہے ڈاکٹر صاحب جب
 رکن پارلیمنٹ تھے تو ان دنوں انہوں نے اردو کے مسائل پر کھل کر اردو
 والوں کی نمائندگی کی تھی سابق وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو سے
 ان کے مراسم تھے موجودہ وزیر اعظم مشرا اہل پہاری و اجپانی سے بھی
 روابط ہیں تمام صدور جمہوریہ ہند بھی ڈاکٹر صاحب کی ہمہ جہتی خدمات کے
 محترف رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کوئی دولت نہیں کمائی۔ ان کی دو اہلی
 عوام کی محبت، غریبوں اور حاجت مندوں کی چاہت ہے اردو کے تمام
 حلقے ڈاکٹر صاحب سے ٹوٹ کر محبت کرنے ہیں دل و جان سے ان
 کی قدر کرتے ہیں۔ ترقی پسند ادیب ہونے کے باوجود تمام مکتب خیال کے
 دانشوروں سے ان کی رسم و راہ ہے ان کا یہ نظریہ ہے کہ چاہے وہ کوئی بھی
 انجن ہو یا ادارہ ہو چاہے وہ کوئی بھی ادبی شخصیت ہو اگر وہ اردو
 زبان، اردو تہذیب کے لئے سود مند ہو تو اس کے ساتھ تعاون کرنا
 چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب کو تمام ادبی حلقے پسند کرتے ہیں۔ ان کا احترام
 کرتے ہیں ان کی خدمات کو خراج پیش کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے نئی
 سیاسی دور دیکھے ہیں حیدر آباد میں نظام کی حکومت بھی رہی۔ کانگریس
 کی حکومت بھی اور اب تلگوڈیشم کی حکومت کو بھی دیکھ رہے ہیں۔
 حیدر آباد کے نامور کاتب گھرانے سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر راج
 بہادر گوڈر ہمارے مشہر کے لئے، ہمارے ملک کے لئے ایک مایہ ناز شخصیت
 ہیں احمد کا سایہ معاشرہ کے ہر طبقہ کے لئے ناگزیر ہے۔

ڈاکٹر زینت ساجدہ

قابل ترین استانی۔ صاحبِ طرز نامور ادیبہ

ایسے طلباء و طالبات انتہائی خوش نصیب سمجھے جاتے ہیں جنہوں نے بہترین اساتذہ کی زیرِ سرپرستی اپنی تعلیم مکمل کی ہو۔ بہترین استاد کی حیثیت سے یاد کیا جانا بھی کسی استاد کے لئے ایک بڑا اعزاز ہے۔ قابل ترین اساتذہ اپنے عمدہ طریقہٴ درس و تدریس اور اپنی خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے طلباء کے دل میں اپنا ایک مقام بنالیتے ہیں جو روزِ روشن کی طرح نورِ پھیلتا رہتا رہتا ہے ہر استاد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کے شاگرد اپنی بہترین تعلیمی قابلیت سے نہ صرف اپنا مستقبل ہی روشن بنائیں۔ بلکہ انہیں بھی یاد رکھیں۔ استاد اور شاگرد کا رشتہ تعلیمی بھی ہوتا ہے اور سعادتِ مندانہ، عقیدت سے ضرور اور جذباتی بھی ہوتا ہے جو رشتہ تعلیمی رشتہ کے ساتھ عقیدتِ مندانہ اور سعادتِ مندانہ بھی ہوتا ہے اس کی اہمیت کا وہی لوگ

صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں جو اس مقدس رشتے کی دل و جان سے تعظیم و
 تکریم کرتے ہیں اچھے اساتذہ اپنا فرض منصبی ادا کرنے ہوئے
 دوہری خوشی محسوس کرتے ہیں ایک تو یہ کہ وہ دیانت داری کے ساتھ
 اپنی ذمہ داری کو نبھاتے رہتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ ان کے عمدہ
 طریقہ تعلیم سے ان کے شاگرد اپنے بہترین مستقبل کی جانب رواں
 رواں رہتے ہیں۔ ان خصوصیات کے حامل اساتذہ میں ڈاکٹر
 زینت ساجدہ کا نام بھی اچھے اساتذہ کی اولین فہرست میں دکھائی
 دیتا ہے۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ کے سینکڑوں شاگرد ہیں لیکن ان کے
 شاگردوں میں بعض ایسے شاگرد بھی ہیں جنہوں نے مختلف شعبہ حیات
 میں نمایاں مقام بنالیا ہے۔ بے شمار ایسے اہل قلم بھی ہیں جو شاعری
 ادب و صحافت میں ایک مقام بنا چکے ہیں تجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ
 میں ڈاکٹر صاحبہ کا شاگرد رہا ہوں۔ وہ بہ حیثیت صدر شعبہ اردو
 جامعہ عثمانیہ سیکرٹری ہوئیں۔ زینت آبا اعزازی طور پر اردو کالج
 کے طلباء کو پڑھاتی تھیں۔ میں ۶۱۹۵۹ء میں بنی اد ایل کے
 طالب علم کی حیثیت سے ان کے زیر تعلیم رہا۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش
 کے زیر اہتمام اردو ہال، حمایت نگر کے احاطہ میں اردو اور بینل
 کالج قائم ہے پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد کالج کے پرنسپل تھے ڈاکٹر
 زینت ساجدہ تاریخ ادب اردو اور شاعری پڑھاتی تھیں۔ ان کے

چھانسنے کا اتنا چھا، ندوہ تھا کہ کوئی ایک طالب علم بھی کلاس سے غیر حاضر
 میں رہتا تھا پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ ڈاکٹر صاحبہ کی کلاس کب ختم ہوتی
 تھی، تمام طلباء نہایت اہمک اور پوری توجہ کے ساتھ پکڑ سکتے تھے بعض
 شخصیت کچھ اس طرح کی ہوتی تھیں کہ طلباء ان کی طرف کھینچتے
 چلے جاتے ہیں طلباء کو اپنے استاد سے ایک عقیدت سی ہو جاتی ہے ڈاکٹر
 صاحبہ کے آج جتنے شاگرد اعلیٰ مقام پر ہیں وہ ان کے شاگرد ہونے پر
 فخر محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ ایک بہترین استاد کی حیثیت
 سے ہی نہیں ایک اعلیٰ مرتبت، صاحب طرز ادیبہ کی حیثیت سے بھی شہرت
 رکھتی ہیں بہترین مقرر بھی ہیں۔ جس ادبی جلسے میں ڈاکٹر صاحبہ کو مدعو
 کیا جاتا ہے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کی شرکت ہی جلسے کی کامیابی کی ضامن
 ہے میں نے بیسیوں جلسوں میں زینت آپا کی تقریریں سنی ہیں۔ میں
 اردو مجلس (انجمن ترقی اردو) کا ۱۸ برس تک معذورہ چکا ہوں۔ ہر اہم
 جلسے میں انھیں مدعو کیا کرتا تھا اردو مجلس کی ادبی تقاریب میں اس
 دور کے تمام شاہیر اردو پردیسر حبیب الرحمن صاحب، پروفیسر مارون
 خان شرفانی، پروفیسر سید محمد رائے جانشی پرشاد، ڈاکٹر حسینی شاہد
 وغیرہ۔ کبھی خاص خاص جلسوں میں جناب عابد علی خان اور جناب محبوب
 حسین جگر صاحب اور مخدوم محمد الدین صاحب اور میر حسن صاحب بھی
 شرکت کرنے تھے ڈاکٹر زینت ساجدہ ایک ترقی پسند ادیبہ کی حیثیت

سے ادبی حلقوں میں شہرت رکھتی ہیں وہ صفِ اول کے مشاہیر اُردو کے ساتھ اپنی پُر اثر تقریر کے ذریعہ ساری محفل پر چھا جاتی تھیں میں نے بعض اعلیٰ ترین ادبی جلسوں میں دیکھا ہے کہ زینت آپا کا خطاب حاصل اجلاس رہا کرتا تھا۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے ایک شعری مجموعہ "کلامِ رشتوں کی ہلکت" کی رسمِ اجراء تقریب میں ڈاکٹر زینت ساجدہ کو بہ حیثیتِ ہماںِ خصوصی مدعو کیا تھا زینت آپا نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا تھا کہ مجھے اظہارِ خیال کا پورا پورا حق ہے اس لئے کہ صلاح الدین شیرپوری میرا شاگرد نہیں ہے بلکہ اُس کا بیٹا بھی میرا شاگرد ہے۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ اُن دنوں نظامِ کالج میں صدرِ شعبہ اُردو تھیں میرا بیٹا شمس الدین عارف نظامِ کالج سے بی ایس سی کر رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحبہ سے اُردو پڑھنا تھا ڈاکٹر زینت ساجدہ ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے میرے بڑے بڑے کی سرپرستی کرتی رہیں تمام طلباء میں عارف کو سمجھ زیادہ ہی اہمیت دیتی تھیں۔ عارف بھی بہت خوش تھا کہ وہ ایک بہترین استانی کا شاگرد ہے ڈاکٹر زینت ساجدہ ایک مشفق استاد کا طرح اپنے شاگردوں کے مستقبل کے لئے فکر مند رہتی تھیں شمس الدین عارف نظامِ کالج سے درجہ اول میں بی ایس سی کا امتیاز کرنے کے بعد یہ چاہتا تھا کہ میڈیکل سائنس کا کورس کرے ایم بی بی ایس انٹرنس ٹشٹ میں صرف دو نمبر سے ناکام رہا۔ اُن دنوں اُس کی خواہش

تھی کہ اپنے ماموں ڈاکٹر لطیف کے پاس امریکہ چلا جائے لیکن ان
 کی والدہ اپنی خرابی صحت کے باعث اجازت نہ دے سکیں۔ ان
 دنوں اردو مجلس کے کسی اجلاس کو قطعیت دینے کے لئے بب میں اپنے
 محترم استاد ڈاکٹر حسینی شاہد سے ملنے کے لئے ان کے دوست خانے پر پہنچا
 اس وقت ڈاکٹر زینت ساجدہ نے عارف کے بارے میں دریافت کیا
 اور مشورہ دیا کہ ایم ایس سی کے لئے علی گڑھ بھیج دو۔ علی محمد خسرو وائس
 چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہیں وہ ڈاکٹر سید عبدالمنان اور عابد علی
 خان صاحب کے اچھے دوستوں میں سے ہیں کسی ایک سے سفارشی خط لے
 کر خسرو صاحب کے پاس بھیج دو۔ میں نے ڈاکٹر صاحبہ کے مفید مشورہ
 کو سراٹھکھوں پر بٹھا کر عابد علی خان صاحب سے سفارشی خط کی خواہش
 کی۔ عابد علی خان صاحب نے ایک پُر اثر خط خسرو صاحب کے نام لکھ دیا
 عارف نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں خسرو صاحب سے ملاقات کی اور اس
 کو ایم ایس سی میں داخلہ مل گیا۔ داخلہ تو مل گیا لیکن رہائش کا سوال تھا
 اس وقت ہاسٹل میں کسی ایک طالب علم کے لئے بھی گنجائش نہیں تھی۔ میں
 نے اپنے شاعر دوست شہر یار کو جو یونیورسٹی میں استاد تھے خط لکھا تھا۔
 پروفیسر منشی تبسم صاحب سے بھی احاطاً ایک خط لکھوایا تھا کہ اگر یونیورسٹی
 میں کوئی مسئلہ ہو تو عارف کا خیال رکھیں۔ شہر یار صاحب نے اپنے ایک
 پی ایچ ڈی کے شاگرد کے روم میں عارف کی رہائش کا عارضی طور پر

انتظام کیا۔ پھر دو ماہ بعد باضابطہ پامسل کا انتظام ہو گیا عارف نے
 درجہ اول میں ایم ایس سی کا امتحان کامیاب کیا۔ آج وہ اللہ کے فضل
 سے ریاض (سعودی عرب) کی ایک کیمیکل کمپنی میں مینجیر ہے۔ اس
 تفصیل کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اگر کسی شخص کو صحیح وقت
 پر صحیح رہنمائی مل جائے تو زندگی کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے ڈاکٹر
 زینت ساجدہ جس وقت کلیۃً اُنات (جامعہ عثمانیہ) میں اردو کی
 استاد تھیں تو وہ بہت سے میاں ری تہذیبی پروگرام ترتیب دیا کرتی تھیں
 وہ پروگرام آج بھی یاد کئے جانے کے قابل ہیں۔ خود میں نے بھی ایک
 تہذیبی پروگرام ”بہادر شاہ ظفر“ میں شرکت کی تھی جس کا ناثر آج بھی
 میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے ڈاکٹر زینت ساجدہ بہترین ناظم
 مشاعرہ بھی رہی ہیں مجھے ادبی سروسٹ کا ایک عظیم الشان مشاعرہ یاد
 ہے اس مشاعرہ میں ممتاز شاعر سکندر علی وجہ نے بھی کلام سنایا تھا
 ڈاکٹر زینت ساجدہ معتمد مشاعرہ تھیں برصغیر جیلے کہنے میں ماہر ہیں اس
 مشاعرہ میں میں نے بھی کلام سنایا تھا۔ سکندر علی وجہ کو اس مشاعرہ میں
 خاطر خواہ داد نہیں مل سکی۔ جب وہ غزل پڑھا کر واپس ہو رہے تھے تو
 زینت آپا نے غالب کا یہ شعر پڑھا

نقیرانہ آئے صدا کر چیلے
 میاں خوش رہو ہم دعا کر چیلے

پھر کہا ”جو دیا اُس کا بھی بھلا اور جو نہ دیا اُس کا بھی بھلا۔“ یہ سنتے
 ہی سکندر علی و جد برہم ہو کر مانگ پر آئے اور کہا کہ میں نہیں سمجھتا
 تھا کہ زینت ساجدہ کا ادبی ذوق ایسا بھی ہے۔ وہ بہت خفا ہوئے
 مخدوم حمی الدین، شاہد صدیقی، ڈاکٹر راج بہادر گودا، سرینواس
 لاہوٹی، مجروح سلطان پوری، علی سردار جعفری پر بھی انتہائی بے باکی کے
 ساتھ اس طرح کے حملے چیت کیا کرتے تھے وہ اس انداز سے گل افشانی
 کرتے تھے کہ کوئی بھی اہل قلم اُن کی باتوں کا بُرا نہیں مانتا تھا میرے
 استاد ابو ظفر پروفیسر عبدالواحد زینت آپا کی صلاحیتوں کے بے حد مداح
 تھے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد کو بھی بہت چاہتے تھے دونوں پروفیسر ابو ظفر صاحب
 کے شاگرد رہ چکے ہیں شاید صاحب کو بر خوردار کہہ کر مخاطب کرتے تھے
 جس وقت ڈاکٹر زینت ساجدہ کو حکومت آندھرا پردیش کی جانب
 سے ۱۹۸۰ء میں بسٹ ٹیگور ایوارڈ ملا تو اردو ہال میں اُن کے شاگردوں
 نے ایک مثالی تہنیتی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ میں نے کسی استاد کی اتنی
 شاندار تہنیتی تقریب نہیں دیکھی۔ پورا ہال تنگ دامن کی شکایت
 کر رہا تھا ہر شاگرد کے ہاتھ میں پھولوں کا ہار تھا میں نے اس خوشگوار
 موقع پر ایک تہنیتی نظم سنائی تھی وہ نظم آج بھی ڈاکٹر صاحبہ کے ڈرائیونگ
 روم میں آویزاں ہے اردو ہال میں مستعدہ ایک اجلاس کے بعد ڈاکٹر
 اکبر علی بیگ، ڈاکٹر طیب انصاری اور میں زینت آپا سے ملنے کے لئے

شہ نشین پر پہنچے۔ اکبر علی بیگ نے کہا آپ کے تین سعادت مند شاگرد آپ سے ملتے کس لئے آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ خوش ہوئیں مگر میرے بارے میں کہا کہ صلاح الدین شاہد کے چہیتے شاگرد ہیں وہ یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ میں ہی نہیں شاہد بھی بیکر کو چاہتے ہیں بلاشبہ ڈاکٹر حسینی شاہد میرے بچہ شفیق استاد تھے میری ان سے والہانہ وابستگی تھی شاہد صاحب بھی مجھے بہت عزیز رکھتے تھے وہ کس حد تک مجھے عزیز رکھتے تھے اس کا تفصیلی ذکر اس سے پہلے اپنے ایک مضمون میں نے کیا ہے۔

ڈاکٹر زینت ساجدہ نے جامعہ عثمانیہ سے ۱۹۷۳ء میں ڈاکٹر مسعود حسین خان صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی زیر نگرانی ڈاکٹریٹ کی تکمیل کی۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ کی کتابوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے جلت رنگ محب وطن خوانین، حکمران خوانین، تلگوادب کی تاریخ، دکنیات شناسی، علی عادل شاہ ثانی۔ یہ کتابیں اردو ادب

میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں جید اہلاد کے ادیب حصہ اول و دوم کی مرتبہ "سیاست" اخبار میں ڈاکٹر صاحبہ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں مجھے یہ بھی یاد ہے کہ کسی خاص موضوع پر مضمون لکھوانا ہو تو محترم محبوب حسین جگر صاحب یہ اصرار لکھواتے تھے زینت آپا نہایت شستہ، با محاورہ دل پر اثر کرنی والی زبان لکھتی ہیں "سیاست" اخبار میں ان کے مضامین

کے انتقال کے بعد اخبار کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ زاہد علی خان صاحب نے سیاست کی اعلیٰ روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اخبار کو مزید بلند سطح پر پہنچایا ہے سیاست کی جانب سے گذشتہ برسوں سے سیاست پندرہ روزہ انٹرنیشنل شائع ہو رہا ہے پھر سیاست بنگلور ایڈیشن نے بھی سیاست کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے یہ صرف اور صرف زاہد علی خان صاحب کی ذہانت، اُن کے حوصلے اور اُن کی دانشوری کا ہی نتیجہ ہے کہ سیاست کا ہر شعبہ نہایت عمدگی اور ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ زاہد صاحب کے چھوٹے بھائی ظہیر الدین علی خان صاحب مینجنگ ٹرسٹی کی ماسعی جلیلہ اور اُن کی ذمہ دارانہ طرزِ صحافت زاہد علی خان صاحب کے لئے ایک نعمت غیر متزقیہ ہے پھر اُن کے جواں سال فرزند عامر علی خان صاحب نیوز ایڈیٹر سیاست کا روشن دماغ، اُن کی کام سے دلچسپی سیاست کی ترقی و بہتری کے لئے کار فرما ہے۔ آفس کا دیانت دار اسٹاف بھی نہایت فاضل شناسی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہا ہے۔

خوشگوار ماحول میں سچی لگن سے کام کرنے والے لوگ سیاست کی مقبولیت میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ ساری اُردو دنیا میں سیاست کا نام روزِ روشن کی طرح مہر قاری کے گوشِ دل میں جلوہ گر ہے۔ زاہد علی خان صاحب یہ ذاتِ خود ایک بلند مرتبت

پدم بھوشن ڈاکٹر سی نارائن ریڈی سنار

(جامعہ عثمانیہ کے لائق سیوت)

کسی بھی شخص کے بارے میں یہ قیاس کرنا ایک سوا یہ نشان
 رہ جاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے سفر میں کن کن مرحلوں سے گزرتے ہوئے
 شہرت کی آخری حدوں تک پہنچ سکتا ہے لیکن جن شخصیتوں سے لکھنے کے
 بعد اس بات کا پتہ چل جاتا ہے کہ ایسے غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے لوگ
 ایک نہ ایک دن شہرت و عظمت کی آخری منزل پر پہنچ جائیں گے۔ جب
 ایسی شخصیتوں سے مل کر یہ احساس ہو کہ یہ شخصیتیں اپنے ہی قبیلے کے آدمی
 ہیں تو ساری ذہنی تفکرن دور ہو جاتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ دل و
 دماغ معطر نضاؤں میں سیر کر رہے ہیں۔

انسان کو اپنی زندگی میں کچھ ایسے انسانی رشتوں سے بھی سابلقم پڑتا ہے
 جن کی وابستگی سے فہم و ادراک کے بیشتر گوشے اجالوں کا سفر طے کرتے
 ہوئے پھر نور نضاؤں میں پھیل جاتے ہیں زندگی کے سفر میں کچھ ایسی

شخصیتوں سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے جن سے مل کر فکر و خیال شعور و وجدان کی شمعیں جگمگانے لگتی ہیں اور جن کی محبت، عنایت، مروت، روشن خیالی، اور شائستہ مزاجی کی وجہ سے معاشرہ کے حدودِ خیال میں رنگ و نور کی بارش ہونے لگتی ہے معاشرے کی ایسی نمائندہ شخصیتیں، رشتوں کی تھک کا احساس لانے پہوئے خوشبو کا سفر طے کمرنی ہیں، نوکیتے ہی لوگ پُر نور فضاؤں میں اپنی زندگی کی جمع و شام کو سمونے بہوں گے جب ایسے کامیاب و باامراد لوگ ہر اٹھا کر کامرانی کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر طے کرتے ہیں تو بے شمار افراد ان کے کاروانِ خود شناسی میں شریک ہوتے ہوئے ایک ایسی منزل کی طرف بڑھتے ہیں۔ جس کی کوئی حدِ آخر نہیں ہوتی۔ ایسے ہی یا کمال اور خوش نصیب لوگوں میں گیکان پتھہ ایوارڈ یافتہ ممتاز شاعرِ قدیم و بھوشن پروفیسر سی نارائن ریڈی سنار سے ایم بی کانام بھی سرفہرست دکھائی دیتا ہے اپنے گھر کے خاص تہذیبی ماحول سے آراستہ پیراستہ ہونے کے بعد جب ڈاکٹر ریڈی نے کریم نگر سے حیدر آباد کا رخ کیا تو یہاں انہیں مختلف النوع مزاج لوگوں سے سابقہ پڑا۔ وہ سب کے ساتھ رہتے لیکن اپنے صغیر کی آواز کو سنتے ہوئے اپنے انداز سے شب و روز گزارتے رہے۔

مادرِ جامعہ عثمانیہ اپنے جن لائق فرزندوں پر ہمیشہ ناز کرتی رہے گی اور جب مورخ جامعہ عثمانیہ کے عالمی شہرت یافتہ بیوتوں کی فہرست بنائے گا تو ڈاکٹر ریڈی کانام اُس فہرست میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ جامعہ عثمانیہ کے ماحول نے ڈاکٹر ریڈی کو تہذیب و تمدن بھائی چارگی

رواداری، نشست و برخاست کا سلیقہ اور آداب گفتگو کا درس دیا ہے
فاضل اساتذہ کی ذہنی تربیت نے انہیں زندگی کے طویل سفر کو کامرانی و کامیابی
کے ساتھ طے کرنے کا گڑ سکھا یا ہے۔ اچھا ماحول، اچھے ساتھیوں اور اچھے
دوستوں کی خواہشوں کے فکر و خیال کو بہکاتی رہی ہے۔
ہم عثمانین کے لئے یہ خود بھی ایک بیڑا اعزاز ہے کہ ہم میں سے ایک شخص
حیدر آباد کی تہذیب، روایات اور یہاں کی عطر بیز ماحول میں سانس لیتا ہوا
اپنے ارتقائی سفر کو جاری رکھتے ہوئے واٹس چانسلر کے اعلیٰ عہدہ پر فائز
رہ چکا ہے۔

میں انجی شاعری کے ابتدائی دور میں تلگو کے جن نامور شاعروں کی
شاعرانہ صلاحیتوں، ان کی شہرت و عظمت اور ادبی حلقوں میں ان کے
فکرو فن کی مقبولیت اور پذیرائی سے واقف تھا ان میں ڈاکٹر بی نارائن
رہی کا نام بھی شامل تھا ڈاکٹر ریڈی سے پہلی ملاقات سے قبل میں ان کی
تلگو فلمی شاعری سے بھی واقف تھا تلگو کے اس شاعر سے ملنے کا بعد اشتیاق
تھا انہی کی شاعری میں اردو کے الفاظ بھی ملتے ہیں اور حیدر آباد کی گنگا جی
تہذیب و روایت کو اپنی کوئیادوں اور اپنے فلمی نغمات میں سمونارہتا
ہے جس زمانے میں ڈاکٹر ریڈی شعبہ تلگو جامعہ عثمانیہ سے وابستہ تھے اس
زمانے سے ہی وہ تلگو فلموں کے لئے نغمہ رہے تھے اور ان کے نغموں کی شہرت
پھیلتی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی ملاقات ایک یادگار و عظیم شان جلسہ عام

میں اس وقت ہوئی جب ڈاکٹر نیلم سنجواری ڈی صدر جمہوریہ ہند بننے کے بعد پہلی دفعہ حیدرآباد آئے تھے اور جن کا شہر یاں حیدرآباد و سکندرآباد کی جانب سے پہلے گارڈن کے (لان) پر شاندار پیمانے پر استقبال کیا گیا تھا۔ اس تقریب میں مجھے صدر جمہوریہ کو تہنیتی نظم سنانے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ اردو شاعروں میں یہ اعزاز مجھے حاصل ہوا تھا۔ اس پہلے تعارف کے بعد ڈاکٹر صاحب سے سرکاری و غیر سرکاری مختلف تقاریب میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے میرے تقریباً ۳۵ سالہ دوستانہ مراسم ہیں لیکن گذشتہ ۲۰، ۲۵ سال سے ہم ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب آگئے ہیں اردو شعروادب سے متعلق جب کوئی بات دریافت طلب ہو یا کسی موضوع پر مشورہ مفصلاً ہو یا مشورہ سخن درکار ہو تو وہ مجھے فون کرتے یا موٹر بھیج کر ننگو پورٹی یا اپنے گھر بلاتے ہیں۔ یہ سلسلہ استواری کے ساتھ برسوں تک جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ وٹیرہ ہے کہ وہ نئے شاعروں اور نئے دستوں سے بلا تحفظ ذہنی ملا کرتے ہیں۔ ان میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جب وہ اپنے دوستوں کو نوازنا چاہتے ہیں تو مناسب موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ننگو پورٹی میں جب ایم لے اردو کے کورس کی تیاری کے سلسلے میں بورڈ آف اسٹڈیز کی تشکیل عمل میں لائی گئی تو اس میں میرا نام بھی شامل تھا ڈاکٹر صاحب نے فون پر مجھے اس بات کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی کہا تھا

کہ میں نے آپ کا نام خصوصیت کے ساتھ شامل کیا ہے جب میں نے یہ کہا کہ میں نہ تو کسی کالج کا پچھر ہوں، نہ کسی یونیورسٹی کا ڈاکٹر یا پروفیسر تو پھر آپ نے مجھے کیوں بورڈ آف گورنرس میں شامل فرمایا تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ جب ایک شاعر کی شخصیت اور اس کے فن پر یونیورسٹیز میں ریسرچ ہو سکتی ہے تو کیوں نہ اُس کی صلاحیتوں سے تعلیمی امور میں بھی استفادہ حاصل کیا جائے۔ میں نے آپ کا نام شامل کر کے ایک خوشگوار روایت کی بنیاد ڈالی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت لسانی مسائل پر ہمیشہ غیر تنزاعی رہی وہ سلجھ ہوئے دانشوروں کی طرح لسانی مسائل پر اس انداز سے گفتگو کرتے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان کی اپنی زبان کے ترجمان و نمائندہ ہیں ڈاکٹر صاحب ملک کی تمام زبانوں کا احترام کرتے ہیں۔ اردو زبان کی عظمت اس کے رچاؤ اور اس کی دل کو چھونے والی کیفیات کو بے حد پسند کرتے ہیں ان کا یہ لسانی نظریہ ہے کہ ملک کی ہر زبان کو اس کا دستور حق ملنا چاہیے جس طرح ہر شہر کی دستور کی رکھنی میں سانس لینے کا حق حاصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب جس زمانے میں آفیشل لیگنوج کمیشن کے صدر نشین تھے تو ان دنوں تلنگانہ ملازمین خاص طور پر مسلمان ملازمین تلگو نہ جاننے کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھے جب ڈاکٹر صاحب نے اپنی خدمت کا جائزہ لیا تو انہوں نے آفیشل لیگنوج کی پالیسی کو متوازن

بنادیا۔ وہ بات نہیں رہی جو ان سے پہلے کے چیئرمین کے زمانے میں تھی۔
 مکریٹریٹ میں ڈاکٹر صاحب کا اجلاس اور میرا سکشن ایک ہی
 بلڈنگ میں واقع تھا۔ اکثر ان سے ملاقات ہوتی تھی کبھی ٹولفٹ کے پاس
 اور کبھی ان کیموٹر میں سوار ہوتے وقت اور کبھی موٹر سے اُترتے وقت ناؤ
 کبھی ان کے اجلاس پر۔ جب کبھی ملازمین کے لئے تلگو میں نوٹنگ اور
 مراسلت کا مسئلہ درپیش ہوتا تو میں ان سے آفس میں ملتا اور اس مسئلہ
 پر گفتگو رہتی۔ میں کہتا کہ تلنگانہ کے ایسے ملازمین سرکاری دفاتر میں
 بہت کم رہ گئے ہیں جو تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور جو حکومت کی
 حالیہ پالیسی و احکامات سے سخت پریشان ہیں آپ تلگو نوٹنگ و مراسلت
 کے سلسلے میں نرم پالیسی اختیار کریں (جیسا کہ آپ کی طبیعت کا خاصہ ہے)
 تو مناسب ہو گا۔ اُنہوں نے کہا کہ میں جب بھی کلکٹرس کی میٹنگ بلاتا ہوں
 یا اضلاع کے دورہ پر جاتا ہوں تو متعلقہ محکموں کے سربراہوں سے یہی
 کہتا ہوں کہ جنہیں تلگو آتی ہے وہی تلگو میں مراسلت کریں اور جنہیں
 تلگو نہیں آتی انہیں مجبور نہ کیا جائے بلکہ انہیں تلگو لکھنے پڑھنے کی
 ترغیب دی جائے اور ایسے ملازمین جن کی عمر ۴۵ سال سے تجاوز
 کر گئی ہے اور وہ جو وظیفہ کے قریب ہیں انہیں مشقتی رکھا جائے
 ڈاکٹر بیڈی کی چیرمین شپ کا دور ملازمین سرکار کے لئے نہایت سکون
 اور اطمینان کا رہا۔

ڈاکٹر صاحب اپنے دوستوں سے ہی نہیں عام لوگوں سے بھی خذہ پشیمانی

سے پیش آنے ہیں ان کے اندازِ مخاطب میں نرمی ہے لہجہ میں مٹھاس ہے۔
 پرکشش شخصیت میں ایک بانگین ہے شگفتگی اور شناسکتگی ان کے لبِ لہجہ
 کی پہچان ہے ڈاکٹر صاحب بہترین دوست، بہترین دانشور اور بہترین شاعر ہیں
 میں شمار کئے جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ انسانی رشتوں کے ترجمان
 ہیں ڈاکٹر صاحب نہایت سادگی اور خوش اخلاقی کے ساتھ معاشرہ کے ہر اُس
 شخص سے بھی روابط رکھنا چاہتے ہیں جو روشنی کی تلاش میں اندھیروں کی
 رہ گزر سے بھی گذرنا رہتا ہے جب ایک دفعہ وہ کسی سے ملتے ہیں تو برسوں
 گزرنے کے بعد اگر اُس سے کہیں ملاقات ہو تو اس کو پہچان لیتے ہیں شناخت
 اور پہچان کے معاملے میں ان کی حسیات بہت تیز ہیں۔ اپنی شرافت، دوستانہ
 اور مخدمانہ رویہ کی وجہ سے حیدر آباد کی ہر نامندہ سوسائٹی میں عزت کی نگاہوں
 سے دیکھے جاتے ہیں وہ اپنے حیدر آبادی دوستوں سے اردو میں بات کرتے ہیں
 ان کی گفتگو میں شگفتگی و شناسکتگی کے ساتھ اپنا پن بھی ملتے ہے ڈاکٹر صاحب
 فطرتاً بہت سنجیدہ طبیعت کے مالک ہیں یہ قدرت نے انہیں طرافت کی
 نعمت سے بھی نوازا ہے۔ دورانِ گفتگو ظریفانہ جملوں سے محفل کو لالہ زار
 بناتے رہتے ہیں۔ انہیں قدرت نے خوش مزاجی، خوش پوشی، خوش نگاہی
 اور خوش اخلاقی فراخ دلی کے ساتھ عطا کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب ایک سیکولر ذہنیت اور روشن خیالات رکھنے والے
 انسان کی حیثیت سے بھی معاشرے میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکے ہیں۔ اور
 کے ہاں کسی قسم کا بھید بھاؤ نہیں ہے انہیں اس بات سے کوئی سروکار

ہیں ہے کہ کون کس مذہب، کس عقیدہ اور کس زبان سے تعلق رکھتا ہے وہ انسان کو انسان کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان کے دوستوں اور چاہنے والوں کی فہرست میں ہر وہ شخص شامل ہے جو زندگی کی مثبت قدروں کی پاسداری کرتا ہو۔ ڈاکٹر صاحب جیسے اعلیٰ ظرف، وضع دار لوگ بہت کم ملتے ہیں جو بلند مرتبہ کے حامل ہونے کے باوجود انسانی کمزوری رشتوں سے جڑے ہوئے لوگوں سے بھی اپنا رشتہ رکھتے ہیں وہ معاشرے میں بکھرے ہوئے تمام انسانی رشتوں کو سمجھتا جانتے ہیں اپنی اور غیروں کی خوشیوں اور مسرتوں اور ان کے دکھ درد میں بھی برابر کے شریک رہتے ہیں۔

تنگوشتا اعریٰ میں صنف غزل کو پروان چڑھانے میں ڈاکٹر صاحب کا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے اردو غزل کے تمام شعری لوازمات، مطلع، مقطع، قافیہ، ردیف، تخلص اور شعر کے دونوں مصرعوں کا آپس میں ربط کا خاص طور پر کامیابی کے ساتھ لحاظ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے نام سی۔ نارائن ریڈی کی مناسبت سے ستارے تخلص اختیار کیا ہے۔ ان کی تنگو غزلوں کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ منظر عام پر آچکے ہیں جو کافی مقبول ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عنقریب منتخب تنگوشتا اعریٰ کا اردو منظوم ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنے کلام کا انتخاب شروع کیا ہے تو نفع ہے کہ جلد ہی وہ اس خوشگوار فریضہ سے بھی عہدہ برآں ہونگے اردو والے ڈاکٹر صاحب کو اپنی زبان کا شاعر سمجھتے ہیں اس لئے یہی حق بجانب ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیشتر تنگو نظموں کا کامیاب

اُردو منظوم ترجمہ کیا ہے اور ان کی بہت سی نظمیں روزنامہ سیاست میں شائع ہو چکی ہیں ڈاکٹر صاحب اُردو شاعروں میں تلگو شاعری سنا کر بھی داد حاصل کرتے ہیں عوام اور دانشوروں فکر و فن ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہیں وہ اس بات پر بھی فخر محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے ذریعہ اُردو تعلیم گراجویٹیشن کیا ہے مشنتہ اُردو میں نہ صرف محاطب کرتے ہیں بلکہ ریڈیو دور درشن کے علاوہ ادبی جلسوں اور میاں اور لکھو محاطب کرتے ہوئے اپنی اُردو دوستی کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے گزشتہ ۵۵ برسوں میں تلگو فلموں کے لئے سینکڑوں گیت اور نغمے لکھے ہیں وہ ایک کامیاب فلمی شاعر کی حیثیت سے بھی کافی شہرت رکھتے ہیں انہوں نے فلمی شاعری میں قدنی مناظر، پیار، محبت کے علاوہ انسانی اقدار اور انسانی رشتوں کو اہمیت دے کر اپنی فلمی شاعری میں انہوں نے ادب کے دامن کو ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا سماج کی نابرابری، حق تلفی، بگڑتے ہوئے سماج کی اصلاح کے ساتھ ساتھ آجوں اور اندھیروں کے درمیانی فرق کے احساس کو جگایا ہے زندگی سے پیار کرنا اور ادب و شمع کی دیواروں کو ڈھادینا۔ انسانی رشتوں کی پذیرائی کرنا ان کی شاعری کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ ڈاکٹر صاحب دنیا کے بیشتر ممالک کا دورہ کر چکے ہیں ڈاکٹر صاحب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ حکومت نے ان کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے اس وقت وہ ریاستی حکومت کے شعبہ تہذیب و ثقافت کے اڈوائزر رہیں۔

ڈاکٹر صاحب بنیادی طور پر ترقی پسند شاعر ہیں لیکن ان کے ہاں
 عصری حیثیت بھی بہ درجہ اتم موجود ہے اردو کے شاعروں میں میر، غالب
 اقبال، فیض، مخدوم محمد الدین اور ساحر لدھیانوی ان کے پسندیدہ شاعر ہیں
 اگرچہ وہ کلاسیکی ادب کو سنگ میل اور بنیاد کا پتھر سمجھتے ہیں، لیکن
 ترقی پسند نقطہ نظر کو وہ زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ انہیں معاشرہ میں
 ہر وہ انسان عزیز ہے جو اچالوں کی سرزمین پر مایوس اور غم زدہ لوگوں کو
 دیکھ کر اپنا رامن بھگولیتا ہے۔

پروفیسر جعفر نظام

فرشتہ صفت - نیک انسان

بھئی اپنی روزمرہ زندگی میں بعض ایسی شخصیتوں سے بھی واسطہ رہتا ہے جن کی موجودگی کے باوجود یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ موجود ہیں۔ نہایت خاموشی، کم گوئی جیسی علامتیں ان کے وجود کا ایک نیا بااں حصہ ہوتی ہیں اس طرح کے خاموش طبع، کم گوئی اور شریف لوگوں، ذہین ہی نہیں معاملہ فہم اور سنجیدہ بھی ہوتے ہیں اور جن کا کسی محفل میں ہونا ہی اس بات کی طائیت دل تا ہے کہ جیسے بہت سے تمکے ہوئے مسافر ٹھنڈی چھاؤں میں سستارے ہیں۔ پروفیسر جعفر نظام کی شخصیت ان خصوصیات کی حامل ہی نہیں آئینہ دار بھی ہے پروفیسر صاحب کی غیر معمولی شرافت نے ان سے ملنے والے لوگوں کو گرویدہ بنا لیا ہے محسوس ہوتا ہے کہ بتدریج پہلی صف کی خوشبود و سری اور تیسری صف سے ہوتے ہوئے ساری محفل میں پہنچ چکی ہے پروفیسر صاحب کو کسی بھی شخص سے زیادہ دیر تک گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا

ہو گیا۔ جس موضوع پر بھی انہیں اظہارِ خیال کا موقع ملتا ہے اُس سے انصاف کرنے ہیں پروفیسر صاحب کو میں صرف اُردو تنظیموں اور اُردو کے جلسوں کے حوالے سے ہی جانتا ہوں۔ ان سے میں دس بارہ سال سے ہی واقف ہوں۔ (غالباً وہ مجھ سے واقف تھے) ایک دن پروفیسر صاحب سے اُردو اکیڈمی کی کسی مٹنگ میں ملاقات ہوئی۔ اُس وقت جناب جلیل پاشا اُردو اکیڈمی کے صدر نشین تھے جیسے ہی میں روم میں داخل ہوا مجھے دیکھ کر جعفر نظام صاحب نے سلام کیا۔ میں وعلیکم السلام کہہ کر ان کے بازو بیٹھ گیا۔ مجھے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ صاحب کون ہیں جنہوں نے مجھے سلام کیا۔ دورانِ اجلاس معلوم ہوا کہ وہ پروفیسر جعفر نظام ہیں پروفیسر جعفر نظام صاحب جامعہ عثمانیہ کے شعبہ درس و تدریس سے وابستہ رہ چکے ہیں کاکتہ یونیورسٹی ورننگل میں وائس چانسلر تھے۔ اپنے ریٹائرمنٹ کے بعد جب پروفیسر صاحب حیدرآباد آئے تو یہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں شریک ہونے لگے جعفر نظام صاحب پانچ برس سے ادارۃ ادبیات اُردو کے صدر نشین ہیں سابق صدر ادارۃ ادبیات اُردو، سابق وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ و سلم یونیورسٹی علی گڑھ جناب ہاشم علی اختر امریکہ منتقل ہونے سے پہلے پروفیسر جعفر نظام کو صدر کی حیثیت سے نامزد کیا تھا اس وقت پروفیسر منی بنم

ادارہ کے معتمد ہیں پروفیسر مفتی تبسم صاحب کی ادارہ سے وابستگی کے بعد
 ادارہ کی سرگرمیاں نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے جاری ہیں
 میں نے ادارہ کی بعض محفلوں میں محسوس کیا ہے کہ پروفیسر صاحب
 مجلس مشاورت کے ارکان کی رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے
 ہیں بہ اتفاق آراء ادارہ کی سرگرمیوں کو بروئے کار لاتے ہیں
 پروفیسر جعفر نظام اور پروفیسر مفتی تبسم کے مزاج میں ہم آہنگی
 ہے شاید یہی وجہ ہے کہ ادارہ کی علمی و ادبی مصروفیات بغیر کسی
 رکاوٹ کے جاری ہیں۔ جناب زاہد علی خان مدیر ”سیاست“ ادارہ
 کے نائب صدر ہیں جن کے تعاون سے بھی ادارہ کی بہت سی اسکیمات
 کو ردیہ عمل لایا جا رہا ہے ادارہ کے زیر انتظام کئی برسوں سے
 بانی مشہر حیدر آباد محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریر منہائی
 جا رہی ہیں ادارہ کا انتظامیہ مختلف پروگرامس کی پیش کشی کے
 سلسلے میں ہم خیال رہتا ہے تمام فیصلے آپسی صلاح و مشورہ سے
 انجام پاتے ہیں۔ ادارہ کے حدود و خال اور اس کی بامقصد سرگرمیوں
 سے شہر کے تمام ادبی حلقے اچھی طرح واقف ہیں اور مفتی تبسم صاحب کی
 دلچسپی سے ادارہ میں کئی صحت مند تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ ادارہ
 کے زیر انتظام ہونے والے اردو دانی، زبان دانی اور عالم
 اُردو مصل کے امتحانات کی شہرت ساری اردو دنیا میں پہنچ چکی ہے

انشاء، اردو دوائی، زبان دانی کے امتحانات کے سلسلے میں ادارہ سیاست کی خدمات ناقابلِ قرا منوش ہیں ان امتحانات کے انعقاد کے سلسلے میں ادارہ سیاست خاص دینی لیتا ہے ہزاروں ناخواندہ، مسلم اور غیر مسلم افراد نے ان امتحانات سے فائدہ اٹھایا ہے (فائدہ اٹھا رہے ہیں) ان امتحانات کے انعقاد کے سلسلے میں پروفیسر جعفر نظام، پروفیسر معنی تبسم کے علاوہ مرزا اکبر علی بیگ پی جی کالج سکندر آباد اور پروفیسر انور الدین صدر شعبہ اردو سنٹرل یونیورسٹی کا تعاون بھی حاصل رہتا ہے ادارہ سیاست کی جانب سے ان تینوں امتحانات کے سلسلے میں طلباء کو مفت کتابیں فراہم کی جاتی ہیں سیاست کے مینیجنگ ایڈیٹر جناب ظہیر الدین علی ان امتحانات کے نگران اور سربراہ ہیں۔

پروفیسر جعفر نظام ایک سنجیدہ مقرر بھی ہیں ان کی تقریر کا ہر جملہ فکر انگیز ہوتا ہے جعفر نظام صاحب ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے سرپرستوں میں سے ایک ہیں دیگر سرپرستوں میں پیدم بھوشن ڈاکٹر کی نارائن ریڈی سنارے ایم پی، ڈاکٹر سید عید المنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش اور خلیل الرحمن صاحب سابق ایم پی شامل ہیں ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے ہر اہم اور بڑے جلسوں میں پروفیسر جعفر نظام کو خصوصیت کے ساتھ

مدعو کیا جاتا ہے وہ بہ خوشی شرکت کرتے ہیں پروفیسر جعفر نظام ممبری
کتابوں کی رسم اجرا تقریب میں لازماً شریک رہا کرتے ہیں پروفیسر
صاحب نے میرے نوں مجموعہ کلام ”کیا کیا جائے“ کی رسم اجرا تقریب
میں شرکت فرمائی تھی جو ۱۹۹۶ء میں راج بھون میں منعقد ہوئی
نبی جن کے میزبان گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت تھے
جعفر نظام صاحب اور ڈاکٹر مسید عبدالمنان بہانان خصوصی تھے
ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے صدارت کی تھی پروفیسر جعفر نظام صاحب
شہر کی بعض علمی و ادبی معیاری انجمنوں سے کسی نہ کسی حیثیت سے
وابستہ ہیں پروفیسر صاحب کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ ادبی
تقاریب میں مدعو کیا جاتا ہے خاص طور پر ایسے اجلاس جو اردو
کاز کے لئے منعقد کیے جاتے ہیں ان میں وہ لازماً شریک رہا
کرتے ہیں پروفیسر صاحب کے ملاقاتیوں میں جہاں شہر کی اہم
شخصیتیں شامل ہیں وہیں اوسط درجے کے شہریوں سے بھی ان کی
رسم و راہ ہے ان کے مزاج میں انتہائی سادگی ہے ہر ایک سے
مُسکراتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بات کرتے ہیں اردو کے
مسائل پر بہت زیادہ سنجیدہ ہیں ان کی تقریروں اور نجی گفتگو سے
پتہ چلتا ہے کہ وہ اردو کے تحفظ اور اس کی بقا کے سلسلے
میں فکرمند ہیں مگر نا اُمید نہیں ہیں پروفیسر صاحب نے ممبری

درخواست پر ایوانِ پرنس معظم جاہ شہج کی محفلوں میں بھی شرکت کی تھی میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ میں جس کسی ادبی محفل میں ان سے شرکت کی خواہش کرتا ہوں وہ بلا تا مل شرکت کرتے ہیں اپنے عمدہ و معلومات آفریں خیالات سے مستفید فرماتے ہیں۔ پروفیسر صاحبان و شاعرہ و ادیبہ محترمہ عظمتِ عبد القیوم کی یاد میں منعقد سالانہ جلسوں میں شرکت کرتے ہیں باقی محفلِ خواتین و شاداں کالج نامور شاعرہ و ادیبہ محترمہ عظمتِ عبد القیوم کی برسی کے موقع پر ہر سال ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے اعلیٰ پیمانے پر خراجِ عقیدت کے طور پر ادبی تقریب منعقد ہوا کرتی ہے۔ شہر کے ممتاز دانشوروں کو مدعو کیا جاتا ہے شاداں کالج کے آڈیٹوریئم عظمتِ نشان ہیں سالانہ تقاریب ہوتی تھیں ادھر کچھ برسوں سے چیف پرموٹر شاداں کالج آف ایجوکیشن ڈاکٹر وزارتِ رسول خان کی رہائش گاہ شاہ منزل میں منعقد ہو رہی ہے معیارِ انجمن کے سربراہ چاہتے ہیں کہ پروفیسر صاحب ان کی محفلوں میں شرکت کر کے انس کی رونق میں اضافہ کریں۔ پروفیسر صاحب کبھی بھی موضوع سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے ان کی تقریر کا ہر جملہ شگفتہ، شستہ اور بامقصد ہوتا ہے۔ میں نے خاص طور پر یہ بات بھی محسوس کی ہے کہ پروفیسر صاحب ادبی جلسوں میں وقتاً مقررہ پر پہنچ جاتے ہیں۔

ایم۔ باگاریڈی

(کامیاب سیاستداں۔ اردو کے پرستار)

نامور سیاست داں، ممتاز ادیب جناب ایم باگاریڈی سابق رکن پارلیمنٹ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ فرزندِ جاسمہ عثمانیہ ہیں۔ اردو زبان و ادب سے وابستگی رکھتے ہیں باگاریڈی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اینو نے جامِ نظامیہ سے منشی فاضل بہ درجہ اول کامیاب کیا اور انہیں ساری ریاست میں امتیازی حیثیت حاصل ہوئی۔ یہ بات پولیس ایکشن سے پہلے کی ہے باگاریڈی میرے منشی فاضل کے ساتھی ہیں میں نے بھی آخری سال منشی فاضل امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا تھا جناب باگاریڈی نے میری طرح ادارہ شرفیہ کی معرفت امتحان دیا تھا جس کے بانی مولانا جی جناب باگاریڈی ظہیر آباد کے متوطن ہیں اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس پارٹی میں اپنی شمولیت سے کیا۔ ان کی عوامی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ (۹) دفعہ ایم ایل اے بنے۔ ریاستی منسٹر ہوئے۔ ایم بی بی

اور مرکزی حکومت میں وزیر رہے۔ ابتدائی سیاسی زندگی میں ضلع پیرشد
میدک کے چیرمین بھی تھے اپنے ادبی ذوق کی تسکین اور اردو زبان
سے دلچسپی کے باعث ظہیر آباد میں ممتاز شاعر عبدالحکیم جمالی کے تعاون
سے ایک ادبی انجمن بزم سخن قائم کی۔ اس انجمن کے زیر اہتمام کئی نمائندہ
مشاعرے ہوئے اُن مشاعروں میں حیدر آباد کے ممتاز شاعروں کنول
برشا کنول، اوج یعقوبی، خیرات ندیم، سلیمان اریب، ابن احمد تاب
طالب رزاقی، رئیس اختر بھی مدعو رہے ہیں میں خود بھی کئی مشاعروں
میں مدعو رہا ہوں جناب رئیس اختر بھی جناب باگاریڈی کے ہم جماعت
ہیں دونوں نے ہائی اسکول بیدر سے میٹرک کامیاب کیا ہے جناب
باگاریڈی انجمن تحفظ اردو حیدر آباد کے صدر رہے جبکہ جناب چند
سرلو استو جزل سکریٹری اور ڈاکٹر مصطفیٰ کمال شریکِ معتمد تھے جناب
باگاریڈی کو اردو تحریک سے شروع ہی سے دلچسپی ہے انہوں نے اردو
زبان و ادب کی سرگرمیوں میں اپنے آپ کو مصروف رکھا۔ باگاریڈی
نہایت کم گو، خاموش طبع مشرفِ انسان ہیں ان کا طرزِ مخاطب متاثر کن
ہوتا ہے۔ ان کی سیاسی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں
نے میدک پارلیمانی حلقہ سے سابق وزیر اعظم مہندشربختی اندرا گاندھی
کے انتخاب کے لئے شب و روز محنت کی۔ الیکشن میں ایم پی کے امیدوار
کی حیثیت سے اپنے آپ کو ہٹا کر اپنی جگہ پر اندرا گاندھی کو اسبکشن میں

جیتنے کے لئے قربانی دی اور اس حلقے سے الیکشن ایجنٹ مقرر ہوئے۔
 باگاریڈی کا ظہیر آباد کی مسلم اقلیتوں نے مدد کی۔ ہر الیکشن کے موقع پر
 ان کا بھرپور ساتھ دیا (آج بھی ان کا تعاون حاصل ہے) باگاریڈی
 اپنے علاقے کے عوام کی جائز مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں ریڈی صاحب
 نے اپنے علاقے کے ترقیاتی کاموں میں بھی پورے خلوص کے ساتھ کام کیا
 ہے میں باگاریڈی صاحب کو اپنے دوستانہ مراسم کی وجہ سے اپنی کتابوں
 کی رسم اجراء تقریب میں مدعو کرتا رہتا ہوں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہوگا
 کہ باگاریڈی صاحب کو کبھی بطور مدعو دعوت دینی پڑی ہو باگاریڈی صاحب ہر
 ایک سے اپنی دوستی اپاس رکھتے ہیں اپنے رکھ رکھاؤ سے یہ احساس
 سحر لاتے ہیں ان کی چلبے کوئی بھی سیاسی حیثیت ہو، میں آپ کا دوست
 ہوں۔ اتنے اچھے مراسم کے باوجود میں نے کبھی بھی باگاریڈی صاحب
 سے کوئی کام نہیں لیا۔ نہ ہی میں نے کسی کی سفارش کی۔ البتہ ایک واقعہ
 بڑا دلچسپ ہے جو میرے محکمہ پنیپت راج (سکرٹریٹ) سے تعلق
 رکھتا ہے باگاریڈی صاحب محکمہ پنیپت راج میں منسٹرین کے آئے تو
 مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ میں اس وقت سکشن آفیسر کے عہدہ پر تھا
 باگاریڈی صاحب سے جب میں نے پہلی ملاقات کی تھی وہ بھی بہت
 خوش ہوئے اور کہا کہ آپ میرے پاس آجیے یہ حیثیت پراسیوٹ
 سکرٹری۔ میں نے انکار کیا اور کہا کہ جب میں آپ کا سکرٹری بن جاؤں

گاتومیری دوستی داؤ پر لگ جائے گی۔

میرے محکمہ میں ایک نوجوان آئی اے ایس آفیسر جوہری ڈپٹی سکریٹری بن کے آئے۔ ۵۰۲ سکشن کے انچارج تھے جوہری صاحب نے اپنے عہدہ کا جائزہ حاصل کرنے کے کچھ ہی دن بعد سکشن آفیسر اس کا مختلف شعبوں میں تبادلہ کر دیا۔ جن میں سے میں بھی ایک تھا میں ان دنوں اکاڈمٹک سکشن میں کام کرتا تھا میرا تبادلہ پمپائٹ سکشن آفیسر کیا گیا میں نے سکشن میں رجوع ہوا خاموشی سے کام کرتا رہا لیکن میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم سب کا تبادلہ بغیر کسی وجہ کے کیا گیا ہے آپ باگاریڈی صاحب سے مل کر انہیں صورت حال سے واقف کروائیے چونکہ وہ آپ کے دوست ہیں۔ میں نے اپنے ساتھی سکشن آفیسروں سے وعدہ کیا اور دو دن بعد میں نے باگاریڈی صاحب سے لنچ کے دوران ان کے چیمبر میں ملاقات کی اور کہا کہ جوہری صاحب نے بغیر کسی وجہ کے ہم سب کا تبادلہ کر دیا ہے باگاریڈی صاحب نے کہا کہ تبادلے کا آرڈر منسوخ ہو جائے گا۔ میں جوہری صاحب اور سکریٹری صاحب سے بات کروں گا۔ دو ہفتے گزر گئے لیکن کچھ بھی پیش رفت نہیں ہوئی پھر میں اپنے پمپائٹ راج ڈیپارٹمنٹ کے ساتھیوں کے اصرار پر توجہ دلانے کے لئے دوبارہ باگاریڈی صاحب سے ملتے کے لئے گیا اس وقت باگاریڈی صاحب کے اجلاس پر تمام اعلیٰ عہدہ دار

موجود تھے میں نے اس موقع پر ملاقات کرنے کے بجائے اُن کے نام پر
شعر لکھ کر بھیج دیا اور واپس ہوا۔

جہاں چھوڑا تھا مجھ کو زندگی نے یہ ابھی تک اُس دور ہے پر کھڑا ہوں
چیرا سی نے میری چھٹی میننگ کے دوران باگا ریڈی صاحب کے حوالے کی۔ باگا
ریڈی صاحب نے مسٹر جوہری کو حکم دیا کہ آپ نے سکشن آفیسر کے تبادلوں
کے جو آرڈر جاری کئے ہیں انہیں منسوخ کریں۔ میننگ کے بعد مسٹر جوہری
نے مجھے بلوایا۔ اُس وقت میں اپنے آفس کے ساتھیوں کے ساتھ کینٹن میں
تھا چیرا سی نے مجھ سے کہا کہ جوہری صاحب آپ کو بلارہے ہیں میرے
ساتھیوں نے کہا کہ آج کچھ ہونے والا ہے سب جانتے تھے کہ جوہری
صاحب ایک سخت گیر آفیسر ہیں پتہ نہیں کیوں بلوایا ہے؟ میں نے
جوہری صاحب کے اجلاس پر پہنچنے سے پہلے دروازہ پر دستک دی
اور کمرہ میں داخل ہوا۔ آداب کہہ کر جوہری صاحب کے روبرو کرسی
پر بیٹھ گیا۔ جوہری صاحب نے ناگوار انداز میں ایک اچھٹی نظر مجھ
پر ڈالی اور میرا پیشکام میں مصروف ہو گئے جوہری صاحب کا ایسا بدب
اور رعب تھا کہ اُن کے پاس جانے کے لئے اسٹنٹ مسکریٹری تک
دروازے پر کھڑے رہتے تھے تاوقتیکہ وہ اجازت نہ دیں نہ تو کمرہ
میں داخل ہو سکتے تھے اور نہ کرسی پر بیٹھ سکتے تھے۔ اپنا کام ختم کرنے
کے بعد برہم لہجہ میں مجھ سے کہا کہ آپ کو کچھ کہنا تھا تو مجھ سے کہنے۔

منسٹر صاحب سے کہنے کی کیا ضرورت تھی میں آپ کے خلاف ایکشن لے سکتا ہوں؟ میں نے کہا مشوق سے: لیجئے۔ لیکن یہ بتائیے کیا دفتر کا آپ کا کوئی ماتحت آپ سے اپنی بات کہہ سکتا ہے؟ کہنے لگے میں اتنا بُرا آدمی ہوں کیا؟ میں نے کہا اکثر اسٹاف کا تاثر یہی ہے کہ آپ سب پر برہم ہوتے ہیں اور سیدھے منہ کسی سے بات نہیں کرتے۔ میں نے دورانِ گفتگو یہ بھی کہا تھا کہ سارا سکریٹریٹ میری ہتھیلی میں ہے آپ جس آفسر سے کہیں میں یہیں سے بات کر سکتا ہوں (در اصل سکریٹریٹ کے تقریباً تمام تعلقہ کے اعلیٰ عہدہ داروں سے میرے مراسم تھے اور وہ مراسم میری شاعری اور سکریٹریٹ اُردو اسوسی ایشن کی وجہ سے تھے) سٹر جوہری جب نارمل ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی فائیل ہے میں نے آپ کو اُسی سکشن میں دوبارہ مامور کیا ہے جہاں آپ کام کرتے تھے یعنی اکاؤنٹس سکشن میں میں شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے اجلاس سے نکلا۔ کچھ مہینوں کے بعد جوہری صاحب نظام آباد پرنٹنگ کی حیثیت سے مامور ہوئے۔ ٹاؤن ہال کے احاطہ میں انجمن ترقی اُردو کی سالانہ کانفرنس کے سلسلے میں مشاعرہ بھی تھا جنابِ رحمت علی سابق ایم پی اُس وقت ریاستی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر تھے ان کی صدارت میں مشاعرہ ہونے والا تھا سٹر جوہری ہمارے خصوصی تھے جیسے ہی میں اپنے شاعر دوستوں کے ساتھ

ذریعہ کارٹاؤن ہال پہونچا تو منتظمین مشاعرہ نے نہایت ہی پُرتیا کی۔
 طریقے پر ہمارا خیر مقدم کیا اور اپنے ساتھ شہر نشین نگ لے گئے
 رحمت علی صاحب اور کلکٹر صاحب سے علیک سلیک کے بعد میر
 رحمت علی صاحب کے بازو بیٹھ گیا بائیں جانب مسٹر جوہری بیٹھ
 ہوئے تھے انہوں نے رحمت علی صاحب سے کہا کہ سیر صاحب پنجاب
 راج ڈپارٹمنٹ میں ہیں۔ رحمت علی صاحب نے کہا میں جانتا ہوں
 سیر صاحب میرے دوست ہیں اور حیدر آباد کے نامور شاعر ہیں۔
 بات یہیں ختم ہو گئی کچھ دنوں کے بعد نظام آباد میں ایک عظیم الشان
 کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا۔ مسٹر جوہری نے اس مشاعرہ میں خاص طور
 پر مجھے مدعو کیا تھا کیونکہ وہ مشاعرہ کلکٹر صاحب کے تعاون سے منعقد کیا گیا
 تھا مجھے یاد ہے اس مشاعرہ میں مسٹر جوہری نے بھی ایک نظم سنائی تھی
 اس مشاعرہ میں خمار بارہ بنکوی، زبیر رضوی نے بھی شرکت کی تھی
 حیدر آباد کے شاعروں میں سعید شہیدی، کنول پرشاد کنول
 صلاح الدین شیکر اور نیلی خرم مدعو تھے۔

مجھے یہ بھی یاد ہے کہ آج سے ۲۵ برس پہلے جناب علی مدیقی صاحب
 نے بمبئی کی عالی شان ہوٹل میں، ایک کل ہند مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا
 جناب بانگاریڈی جہان خصوصاً مجھے مشاعرہ کی صدارت نامور میوزک
 ڈائریکٹر و شاعر جناب نوشاد علی نے کی تھی نامور فلمی اداکار مسٹر سنی

بھی یہاں خصوصی تحفے حیدرآباد سے سعید شہیدی، کنول پرشا و کنول،
 خیرات ندیم اور صلاح الدین تیرید عوٹھے اس مشاعرہ میں فلمی دنیا سے
 تعلق رکھنے والی مشہور شخصیتیں بھی موجود تھیں صفی اول میں نامور
 اداکارہ تھی بھی موجود تھیں جناب باگاریڈی کے چاہنے والوں کی
 ایک لمبی فہرست ہے وہ مشاعروں میں ہمیشہ شیروانی پہن کر آنے
 ہیں سیاسی اور دیگر جلسوں میں سفاری پہنتے ہیں باگاریڈی صاحب
 شروع ہی سے خاموش طبع اور کم آواز شخصیت کے حامل ہیں
 بے حد ملنسار، خوش اخلاق، محبت کرنے والے انسان ہیں باگاریڈی
 صاحب سے کم کم ہی ملاقات ہوئی ہے حیدرآباد میں کوئی خاص ادبی
 محفلیں ہوں تو ضرور شرکت کرتے ہیں بعض دفعہ اپنی تقریر میں
 یہ بھی کہا کہ میرے دوست صلاح الدین تیرا اور رئیس ختر بہترین شاعر
 ہو گئے اور میں سیاست میں چلا گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے بے دوڑ دوست
 نامور شاعر ہیں۔ باگاریڈی صاحب عام تقاریب میں شرکت سے گریز
 کرتے ہیں میں نے باگاریڈی صاحب سے ہمیشہ اردو میں تقریر سنی۔
 ظہیر آباد میں ان کا واسطہ زیادہ تر اردو بولنے والوں سے رہتا ہے
 حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کے نمائندہ شخصیت ہیں ان کی بہن سی
 خدیجہ خاص طور پر سیاسی تحریروں روزنامہ سیاست میں شائع ہوتی
 رہی ہیں جناب عابد علی خان اور محبوب حسین جگر صاحب سے ان کے

اچھے مراسم تھے ریڈی صاحب نے میرے حال ہی میں شائع شدہ گیارہویں
مجموعہ کلام نبیل زرفشاں کی رسم اجراء تقریب میں بہ حیثیت مہمان
خصوصی شرکت کی تھی پدم مہوشن ڈاکٹر سنی نارائن ریڈی نے رسم اجراء
انجام دی اور ڈاکٹر سید عبدالمنان نے جلسہ کی صدارت کی تھی مشاعرہ
کی صدارت ڈاکٹر علی احمد جلیلی نے کی جناب رئیس اختر ناظم اجلاس تھے
اور مومن خان شوقی معتمد مشاعرہ تھے رسم اجراء کی اس تقریب کے
دوران باگاریڈی صاحب نے کہا۔ ”اُردو سے میرا رشتہ جب سے
قائم ہے اور جس زبان نے مجھے مہذب معاشرہ میں جینے کا گڑ سکھایا
اس کو میں ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہوں۔“ باگاریڈی صاحب
جیسے اُردو کے خدمت گزاروں کے لئے دامان اُردو ہمیشہ کھلا ہے گا
مجھے یقین ہے کہ باگاریڈی صاحب ناجبات ہمارے شہر کی برسیوں
پیرانی روایات کے تحفظ و پاسداری کے لئے بھی دیانت دار رہیں گے

کنول پرشاد کنول

گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار اردو ہندی کے نامور شاعر

میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حیدر آباد کے غیر مسلم اردو شاعروں میں کنول پرشاد کنول کا نام بھی حیدر آباد کی اردو ادب کی تاریخ میں محفوظ رہے گا۔ انڈیا پراس بیرسوں تک شعرو ادب کی محفلوں کو گرامے والے شاعر کنول پرشاد کنول گزشتہ دس بارہ برسوں سے شہر کی ادبی محفلوں اور شاعروں میں دکھائی نہیں دے رہے ہیں کیونکہ وہ عارضی فاج کے شکار ہو چکے ہیں دانت اور ہونٹ متاثر ہیں جس کی وجہ سے انہیں بات کرنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے اور ان کے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے شعر سنانا ان کے لئے تکلیف دہ بن گیا ہے حیدر آباد میں غیر مسلم اردو شاعر کی حیثیت سے انہوں نے اردو کی جو خدمت انجام دی ہے وہ بے غلطی نہیں جاسکتی۔

کنول پرشاد کنول ہندی اردو کے نامور شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں ہندی کی بہ نسبت اردو شاعروں میں ان کے کلام کی زیادہ

پندہ پرائی ہوئی رہی ہے کنول پرشاد کنول یکے حیدر آبادی ہیں حیدر آباد کی
 تہذیب و ثقافت کی بھرپور نمائندگی کرتے رہے ہیں شاعروں کے ایک
 اہم اور کامیاب شاعر کی حیثیت سے بے حد مقبول رہے ہیں بے شمار
 کل ہند شاعرے پڑھ چکے ہیں لال قلعہ کے شاعروں میں بھی انہوں نے
 کلام سنایا ہے۔ صدائے برسر نے انہیں بہترین شاعری کے ساتھ ساتھ
 پُراثر ترنم سے بھی نوازا ہے اکثر شاعروں میں ترنم سے ہی کلام سُنانے
 رہے ہیں کبھی کبھی نحت میں بھی کلام سُنانے ہیں۔

کنول پرشاد کنول صاحب کے ہم عصر شاعروں میں علامہ حیرت
 بدایونی، محمد جمی الدین، سکندر علی دجدا، شاہد صدیقی، سعید شہیدی، ادج
 یعقوبی، خورشید احمد جاتی، سلیمان اریب، وحید اختر، عزیز قیسی، امیر
 احمد خرو، خیرات ندیم، طالب رزاقی، منوہر بھل بھار، ابن احمد تاب
 شاد نمکت وغیرہ شامل ہیں، یہ قید حیات شاعروں میں ڈاکٹر علی احمد جلی
 خواجہ شوق، پروفیسر مغنی تبسم بھی اہم ہیں ان کے بعد کے شاعروں میں
 صلاح الدین حیر، ناصر کرنولی، ربیکس اختر، ڈاکٹر صادق نقوی، نہیال سنگھ
 وراما کے نام بھی لیئے جاسکتے ہیں کنول صاحب آل انڈیا ریڈیو اور دور درشن
 سے اپنا کلام پیش کرتے رہے ہیں اردو کے معیاری ادبی رسائل میں ان کا
 کلام شائع ہوتا رہا ہے روزنامہ سیاست میں ان کے بیسیوں غزلیں، نظمیں
 قطعات شائع ہو چکے ہیں ادبی ٹرسٹ اور شکر جی میموریل سو سائٹی کے
 کل ہند شاعروں میں لازماً مدعو کیئے جانے رہے ہیں کنول صاحب کو اردو

حلقوں نے ہمیشہ پسند کیا ہے ان کی وہ شاعری جو حب الوطنی اور قومی یکجہتی سے تعلق رکھتی ہے بے حد پسند کی جاتی رہی ہے کنول صاحب نے اسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات کی حیثیت سے بھی اردو کی بڑی خدمت کی ہے رسالہ آندھرا پردیش کے مدیر تھے حیدر آباد کے شعراء کا کلام شائع کر کے خوشی محسوس کرتے۔ اپنے محکمہ سے اردو اخبارات، ادبی رسائل و جرائد کے لئے اشتہارات دلوانے میں معاون ثابت ہوتے رہے۔ وہ اکثر سرکاری و غیر سرکاری شاعروں کے کنوینر رہا کرتے تھے شہر کے نمائندہ شعراء کے ساتھ ساتھ باصلاحیت نوجوان شاعروں کو بھی مدعو کرتے تھے اگرچہ کنول پیرشا کنول ہندی کے بھی نمائندہ شاعر ہیں لیکن ان کی پہچان اردو شاعری کی حیثیت سے زیادہ ہے جس زمانے میں مسٹر بھیم سینی سپر ریاست کے گورنر تھے اُس وقت کنول صاحب بہت سے مشاعروں کا اہتمام کرتے رہے گورنر صاحب کو مشاعروں کا بہت شوق تھا کنول صاحب نے مشاعروں کے حوالے سے راج بھون کی فضا کو شعری و ادبی و تہذیبی ماحول میں ڈھال دیا تھا ابگ خوشگوار فضا بنائی تھی۔ کنول

کنول پیرشا کنول کے اردو میں دو شعری مجموعے کنول پُشپا بھلی اور لہو کے چر شائع ہو چکے ہیں ہندی میں بھی آگ کے پھیل، آلوک پنہ شائع ہوئے ہیں کرن مال کے نام سے بھی ہندی میں مہنا میں اور نظموں کا مجموعہ ہے شعبہ ہندی عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ان کے فن اور شخصیت پر ایم فل کا مقالہ لکھا ہے ہیں عید اور نہوار کے موقع پر سیاست میں ان کا کلام شائع ہونا بہت اہم ہے۔

حب الوطنی کے موضوع پر ان کی بہت سی نظمیں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اپنے ہم عصر شاعر دوستوں کے ساتھ ہمیشہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں کنول صاحب کی قیادت میں اضلاع میں ہونے والے لٹری مشاعرے میں پڑھ چکا ہوں۔ وہ اپنے حلقہ اثر کے مشاعروں میں مجھے لازماً مدعو کیا کرتے تھے۔ جب میں اپنی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں کلام سناتا تھا تو اس دور کے تقریباً تمام اہم شاعر مشاعروں میں موجود رہتے تھے کنول صاحب کو بانی ادارہ ادبیات اردو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور بہت پسند کرتے تھے۔ ایوان اردو کے مشاعروں میں کنول پرشاد کنول خصوصیت کے ساتھ مدعو رہتے تھے انجمن ترقی اردو کا کوئی مشاعرہ بھی ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں وہ مدعو نہ رہتے ہوں۔ کنول پرشاد کنول خالص حیدر آبادی مزاج کے شاعر ہیں ان کی رواداری دوستوں سے ان کا سلوک بزرگوں سے ان کے مراسم مثالی ہیں حیدر آبادی ہند کی اس طرح نمائندگی کرتے ہیں کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ غیر مسلم ہیں کنول صاحب مشاعروں میں ہمیشہ شیردانی زیب تن کرتے تھے گلاب دین کی کالی شیردانی اُن پر خوب سمجھتی تھی ان کی خوش لبائی نے بھی ان کی شاعرانہ حیثیت کو پُر دقار بنا دیا تھا۔ ان دنوں کبھی کبھی سفاری پہن لیا کرتے ہیں لیکن اردو کی محفلوں میں لازماً شیردانی ہی پہن کر آتے ہیں شہر کے تمام اہم اردو دوستوں سے ان کی رسم دراز ہے کنول صاحب شہر کی بہت سی ہندی اردو انجمنوں سے تعلق رکھتے ہیں کئی برسوں تک ادارہ

ادبیاتِ اردو کے شعبہ ہندی کے رکن رہے مختلف کالجس کے بین الاقلمیاتی مقابلہٴ شعر و سخن و بیت بازی کے جج رہے۔

جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر سے ان کے دیرینہ مراسم تھے خاص طور پر تہواروں کے موقع پر کنول صاحب کی کوئی ایک نظم ”سیاست“ میں لازماً شائع ہوتی تھی ہر ایسے موقع پر کنول صاحب اپنی گامدادہ تخلیقات سیاست میں اشاعت کے لئے روانہ کرتے تھے مگر وہ ہمیں بھیجوا سکے تو جناب محبوب حسین جگر صاحب مجھ سے فون کرواتے کنول صاحب بہ نفس نفیس سیاست آفس آئے اور اپنی نظم جگر صاحب کے حوالے کرتے تھے ہندی، اردو اخبار ملاپ کے ایڈیٹر جناب یدھ ویرجی سے بھی ان کے دوستانہ مراسم تھے یدھ ویر صاحب نے کئی برسوں تک اردو ملاپ شائع کیا۔ ادارہ ملاپ کے ذمہ اہتمام کئی ادبی تقاریب منعقد کی جاتی رہیں۔ خصوصی مشاعرے ہوتے رہے۔ مجھے یاد ہے کہ ۳۳ برس پہلے ملاپ آفس کے احاطہ میں ایک یادگار مشاعرہ منعقد ہوا تھا جس میں فراق گورکھپوری، علامہ حیرت بدایونی، محمد دمحمی الدین شاہد صدیقی، سلیمان اریب، اوج یعقوبی، خیرات ندیم، شاذ تمکنت ابن احمد تاب کے علاوہ ملازم الدین سیر، ناصر کرنلی اور رئیس اختر نے بھی کلام شنایا تھا اس مشاعرہ کے انعقاد کے سلسلے میں کنول صاحب نے خاصی دلچسپی لی تھی ملاپ کے سینیئر ایڈیٹر جناب علماء الدین حبیب (جو اردو ملاپ کے ادبی ایڈیشن کے انچارج تھے) کی دلچسپی کو بھی بڑا

دخل رہا تھا اس مشاعرہ میں فلمی اداکارہ نسیم بانو اور سائبرہ بانو نے بھی شرکت کی تھی وہ ان دنوں کسی فلم کی شوٹنگ کے سلسلے میں حیدرآباد میں موجود تھے کنول صاحب نے کبھی بھی سیاست اخبار اور ملاپ اخبار میں تقریق نہیں کی عابد علی خان صاحب نے دیدہ ویرجی کو یہاں خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا مولانا ابوالیوسف سابق ایم بی سی بھی مدعو تھے شعراء میں کنول پیرشا دکنول کے علاوہ اوج یعقوبی اور صلاح الدین شیرشا مل تھے کٹرپہ کے مشاعرہ میں ذریعہ کار جانا طے ہوا تھا ہم دفتر ملاپ پر جمع ہو کر دیدہ ویرجی کی کار میں کٹرپہ چلے گئے۔ دوران سفر مولانا ابوالیوسف اور کنول پیرشا دکنول صاحب نے مختلف موضوعات پر اپنے طبضوں سے سفر کے فاصلے کو کم کیا۔ نہایت خوش گوار انداز میں ہم کٹرپہ پہنچے۔ یہی کوئی ۸ گھنٹے ہیں۔ جلسہ رحمۃ اللعالمین میں دیدہ ویرجی نے سیرت رسول پاکؐ پر بہت اچھی تقریر کی اور کہا کہ میں جیل میں کلام پاک کی غنیمتوں سے واقف ہوا۔ اس مشاعرہ کے بعد دیدہ ویرجی سے میرا مراسم اور بھی مستحکم ہوتے چلے گئے۔

ایک دفعہ جگر صاحب (محبوب حسین جگر) بہت زیادہ موڈ میں تھے کنول پیرشا دکنول کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کنول اپنی ابتدائی شاعری کے زمانے میں بہت مقبول شاعر رہے ہیں ان کی ایک نظم مجھ سے میرا نام نہ پوچھو کافی مشہور تھی۔ کنول جس مشاعرہ میں بھی شرکت کرتے ان سے اس نظم کی فرمائش کی جاتی۔ پُر سوز ترنم میں ہلکے ہلکے کر نظم

سنا تے تھے۔ جگر صاحب نے یہ بھی خبر لایا کہ کنول پرشاد کنول بے حد شریف آدمی ہیں اور کہا کہ ابراہیم جلیس (ممتاز کالم نگار و صحافی) پولیس ایکشن کے بعد پاکستان جانا چاہ رہے تھے اس وقت کنول پرشاد کنول نے اُن کی بیڑی مدد کی تھی کنول پرشاد کی اتنا دوستی کے بعض واقعات بیان کرتے رہے۔ کنول نہایت ہمدرد، ہمدب انسان ہیں کنول پرشاد کنول نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اپنے شاعر دوستوں کے لئے وقف کیا تھا دھول پیٹ جیسے مقام پر کئی برسوں تک گینٹس تقاریب کے سلسلے میں اردو ہندی کے مشاعرے ہوا کرتے تھے کنول پرشاد کنول نے برسوں کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام منعقد کل ہند نعیمیہ مشاعروں میں اپنا عقیدت میں ڈوبا ہوا نعیمیہ کلام سنایا ہے پُرسوز ترنم سے کلام سنا کر ایک سماں باندھ دیتے تھے کٹر پیسے کے ایک اور نعیمیہ مشاعرے میں کنول صاحب کے ساتھ میں بھی مدعو تھا۔ اس مشاعرہ میں کنول پرشاد کنول نے تمام شعراء سے زیادہ داد و تحسین حاصل کی تھی کنول پرشاد کنول مشاعروں میں غزلی سنانے سے پہلے دو تین قطعات لازماً سنا تے تھے۔

کوڑنگل میں ۲۵، ۲۶ یس پہلے جشن پنڈت دامودر زکی بڑے اہتمام سے منایا گیا تھا جناب فیصل الرحمن سابق ایم پی اس وقت انجن ترفی اردو کوڑنگل کے جنرل سکریٹری تھے جنہوں نے اس جشن کو کامیاب بنانے کے لئے شب و روز محنت کی تھی نامور شاعر محب کوثر

نے بھی جناب خلیل الرحمن کے معاون کی حیثیت سے بہت نہ یادہ کام کیا تھا اس مشاعرہ میں کنول پرشاد کنول کی قیادت میں حیدر آباد سے اردو، ہندی کے ۲۵، ۳۰ نامتو شاعروں نے شرکت کی تھی اردو کے نامور شاعروں سے چاہے وہ ہندوستان کے ہوں لکھ پاکستان کے، اُن کے مراسم تھے کنول صاحب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اردو والے انہیں اردو کا شاعر سمجھتے ہیں اور ہندی والے ہندی کا شاعر دونوں زبانوں کی انہوں نے خدمت کی ہے نامور شاعر شاذ تمکنت سے رسالہ آندھراپویش کے لئے اردو کنالوں پر تبصرہ لکھواتے تھے جس سے شاذ تمکنت کی کچھ مالی امداد ہو جایا کرتی تھی اُن کا کلام بھی رسالہ میں شائع کرتے تھے کنول صاحب چونکہ ایک خوش مزاج انسان ہیں اس لئے اپنے خاص دوستوں میں بسعد تکلف رہا کرتے ہیں جو بھی شاعر یا ادیب اُن سے ملاقات کے لئے اُن کے آفس آتا تو اس کی چلنے سے نواضع کرتے اور اگر ریخ کا وقت ہو تو ریخ کا بھی اہتمام کرتے اُس نشست میں اپنا کلام سُنانے۔ وہ اپنے بہترین دوستوں کو تازہ کلام سُنانے کے آرزو مند رہتے تھے۔

راجکمار ری اندرا دھن راج گبر جی سے بھی اُن کے دوستانہ مراسم ہیں ان کی رہائش گاہ گیان ہارغ آغا پورہ میں خاص خاص ادبی محفلوں میں شریک رہا کرتے تھے کنول صاحب کی اہلیہ شری شیل بالا ہندی کا مشہور شاعرہ تھیں بیگم بازار میں ایک کرایے کے مکان میں رہتی تھیں

اضلاع کے بعض شاعروں کے سلسلے میں ہم اردو ہندی کے شاعران کے ہاں
 جمع ہوجاتے اور کنول صاحب کی ہمراہی میں مشاعرہ کے لئے سفر جاری
 رکھتے۔ کنول پرشاد کنول صاحب ایک بھرپور شخصیت کے مالک ہیں
 شاعروں میں ان کی شدت سے محسوس کی جا رہی ہے ان کی بڑی
 خواہش تھی کہ جگر صاحب کو اپنے فیلڈ (مواقع عایدس) پر مدعو کریں
 ایک شام ایک خصوصی تقریب میں انہیں مدعو کیا۔ جگر صاحب نے تجھے
 اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ مغرورہ وقت پر ہم پہونچے۔ کنول صاحب نے
 جگر صاحب کا پیرتھاک خیر مقدم کیا اور اس محفل کے وہاں خصوصی کی
 حیثیت سے اعلان کیا۔ اس محفل میں ہندی کے شعرا موجود تھے
 اردو شاعروں میں صرف میں ہی تھا جگر صاحب نے اپنی تقریر میں
 کنول پرشاد کنول کی اردو خدمات پر بھرپور روشنی ڈالی اور اس انداز
 سے کنول پرشاد کنول کو خراج پیش کیا کہ ان کی پلکیں بھیگ گئیں
 کنول پرشاد کو نہ جانے کیا کیا یاد آ گیا۔ شاید انہیں اپنی جوانی کے
 دن اور اپنی ابتدائی شاعری اور ادبی جلسوں میں ان کی پندیرائی
 کے دن یاد آ گئے ہوں۔ کنول پرشاد کنول کھینچنے والے کی قدیم تہذیب و
 ماحول کے ذکر سے اب دیدہ ہو جاتے ہیں اردو کی نئی نسل کنول پرشاد
 کنول کو تقریباً معمول چکی ہے وہ لوگ بھی بھلا چکے ہیں جو برسوں
 ان کے قریب رہے، قریبی دوست رہے ہیں گزشتہ سال اردو
 اکڈمی آف انڈیا پر دیش نے کارنامہ حیات کی تقریب میں انہیں اعزاز

مے نوازا۔ جس وقت صدر نشین اردو اکیڈمی جناب سید شاہ نور الحق
 قادری کارنامہ حیات سے تعلق رکھنے والے مشاعروں، ادیبوں کی
 فہرست کو قطبیت سے رہے تھے اُس وقت میرے علم میں یہ بات آئی
 کہ اس فہرست میں کنول پیرشاہ کنول کا نام شامل نہیں ہے۔ میں نے
 فوراً صدر نشین کو فون کر کے ایوارڈ کے لئے اس ناہم نام کی شمولیت کی
 طرف توجہ مبذول کروائی۔ صدر نشین صاحب نے مجھ سے پوچھا۔ ”کیا
 کنول پیرشاہ کنول زندہ ہیں؟“ میں نے کہا زندہ ہیں البتہ وہ اپنی
 ناسازی مزاج کی وجہ سے مشاعروں میں شرکت نہیں کر رہے ہیں
 ہمیں ایسا ماحول بنانا چاہیے کہ ہم خاص طور پر اس طرح کے قلم کاروں
 کو یاد رکھ سکیں جنہوں نے زبان و ادب کی غیر معمولی خدمات انجام
 دی ہیں۔ کنول پیرشاہ کنول کا تعلق سفر آج بھی جاری ہے۔

پروفیسر مغنی تبسم

(فکر و آگہی کے روشن چراغ)

عمر حاضر میں ہمارے شہر کے جن باکمال دانشور اپنی فکر و فن نے علم و آگہی کے چراغ روشن کیے ہیں ان میں ایک اہم نام پروفیسر مغنی تبسم صاحب کا بھی ہے جن کے فہم و ادراک کی روشنی دور دور تک پھیلی ہوئی ہے ہر قلمکار کے فکر و خیال کی روشنی اس کی اپنی ہوتی ہے جو دوسرے قلمکاروں کی روشنی سے قدرے مختلف ہوتی ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم و فن کے کچھ مخصوص راستوں پر بہت سے شاعر و ادیب ایک ساتھ اچلتے ہیں لیکن ان کے قدموں کی آہٹ ایک دوسرے کی ہم رکاب نہیں ہو سکتی قدم سے قدم ملا کر چلنے کے باوجود بھی راستوں کے پیچ و خم کی پہچان ہر ایک راہ رو کے شعور سفر کی غماز معنی سے سسل چلنے والے مسافروں کی بہت سی راہوں سے شناسائی و ہمتی ہے لیکن وہ ایسا ہی راستہ اختیار کرتے ہیں جو ان کا اپنا ہوتا ہے اور جہاں سے گزرنے کے لئے ان کا جی چاہتا ہے پروفیسر مغنی تبسم شعروادب کی راہوں کے تجربہ کار راہی ہی نہیں

میر کا رواں چہ جن کی زندگی صراطِ مستقیم کی پہچان کے باوجود اپنی راہوں سے بھی گزر رہی ہے جو تجربات کی بھٹی میں پختی رہتی ہے مغنی صاحب کی زندگی میں کبھی ٹھراؤ نہیں آیا۔ فکر و دانش کے کئی چراغ ان کے خانہ دل میں روشن ہیں۔ ان کے شعور کی رونے ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو اور ممتاز بنا دیا ہے۔ پروفیسر صاحب ہمارے شہر کے ہی نہیں ملک کے ہی نہیں بلکہ ساری اُردو دنیا کے دانشور سمجھے جاتے ہیں مغنی صاحب نے شعر و ادب کی راہوں میں کبھی تنہا سفر نہیں کیا۔ کئی راہ روؤں کو اپنا ہمسفر بنایا ہے اس کے باوجود بہت کم راہ رو ایسے ہیں جو ان کے ساتھ چلنے کی طاقت و صلاحیت رکھتے ہیں ویسے بھی خدا نے ہر شخص کو یکساں صلاحیتوں سے نہیں نوازا۔ خدا کا فضل ایک سامان کی طرح مغنی صاحب کی حفاظت کر رہا ہے وہ ایک ایسا سایہ دار درخت بن چکے ہیں جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں نہ صرف تازہ دم مسافر ہی دم لیتے ہیں بلکہ تھکے ماندے مسافر بھی سستاتے لگتے ہیں پروفیسر صاحب ایک فرد کی ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شعر و ادب کی دنیا میں بہت سے القابات آنے رہے ہیں لیکن مغنی صاحب کی صحت پر ان کا کچھ اثر نہیں پڑا بلکہ وہ اپنے مسلک اور اپنی فکر کو روشنی پھیلانے جا رہے ہیں شعر و ادب سے مغنی صاحب کا رشتہ بنیادی طور پر کلاسیکی اقدار سے جڑا ہوا ہے وہ ترقی پسند خیالات کے بھی حامی ہیں اور جدید لوں کے ہم نوا

بھی ہیں لیکن ان کی فکر کی عظمت اس بات سے عیاں ہے کہ وہ بنیادی
 اقدار سے منحرف نہیں ہیں۔ اپنی طبیعت کے تنوع اور جدتِ طبع کی وجہ
 سے شعر و ادب کی نرت نئی سرگرمیوں سے وابستہ رہا کرتے ہیں۔ یہ
 بات تسلیم شدہ ہے کہ معنی صاحب کی علمی و ادبی قابلیت سے ہر مکتب
 خیال سے تعلق رکھنے والے لوگ استفادہ کرنا چاہتے ہیں (استفادہ
 کر رہے ہیں) جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ معنی تبسم صاحب کا وجود ایک
 سایہ دار درخت کی طرح ہے جس کی چھاؤں میں ہر طرح کے مسافر راحت
 محسوس کرتے ہیں۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں معنی صاحب کا شاگرد
 ہی شاگرد درخشاں رہا ہوں۔ میں نے اپنے شفیق استاد سے بہت کچھ
 سیکھا ہے ان کی شفقتوں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ مجھے یہ نہیں
 معلوم کہ ۱۹۵۹ء سے پہلے میں نے انھیں کہاں اور کس محفل میں دیکھا تھا
 یقیناً دیکھا ہوگا لیکن ان کی شخصیت شاید اُس وقت مجھے متاثر نہ کر سکی
 ہو۔ یقیناً وہ اپنی ابتدائی زندگی میں متحرک رہے ہوں گے ورنہ آج وہ جس
 اعلیٰ مقام پر فائز ہیں نہیں رہتے۔ اپنے ابتدائی تخلیقی سفر میں جو
 شعور و ادیب اپنی فکر و نظر کے اُجالے ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اس کے
 تئیر ہی کچھ اور ہوتے ہیں معنی صاحب کو میں نے پوری پہچان کے ساتھ
 ۱۹۵۹ء میں محسوس کیا تھا۔ میں اُن دنوں اُردو کالج میں بی او ایل کا
 طالب علم تھا۔ معنی صاحب اُردو کالج کے اُن نامور اساتذہ میں شامل تھے
 جن کی قدر و قیمت کی آج ساری اُردو دنیا معترف ہے اُردو کالج کے

محترم اساتذہ کرام میں پروفیسر ابو ظفر عبد الواحد ڈاکٹر حسینی شاہد ڈاکٹر
 زینت ساجدہ اور ڈاکٹر مفتی تبسم قابل ذکر ہیں۔ اُردو کالج کے قیام
 کے ابتدائی زمانہ میں یہ تمام اساتذہ اعزازی خدمات انجام دیا کرتے تھے
 مفتی صاحب بھی دوسرے استادوں کی طرح طلباء و طالبات کے دل میں
 گھر کر چکے تھے مجھے بے حد عزیز رکھتے تھے۔ مجھے اُن کے رکھ رکھاؤ اور ان کا
 طریقہ درس و تدریس بہت پسند تھا خاص طور پر ان کی طبیعت کی نفاست
 اور ان کے پُر وقار لب و لہجہ نے بہت متاثر کیا تھا مفتی صاحب کا مشورہ
 بھی اُردو کالج کی ادبی و تہذیبی سرگرمیوں کو بلندیوں پر پہنچا رہا تھا
 اُس زمانے میں پروفیسر مفتی تبسم رسالہ شعور و حکمت شائع کرتے تھے مفتی صاحب
 کی خواہش پر رسالہ کی اشاعت کے سلسلے میں میں ان کا ہاتھ بٹاتا تھا۔
 مفتی صاحب بین کلبانی اُردو فیسٹول (۱۹۵۹ء) کے شعبہ موسیقی کے
 مشیر تھے میں اپنے کالج کی بزم اُردو کا بلا مقابلہ صدر منتخب ہوا تھا
 شاعر شاہد صدیقی نے مشاعرہ کی صدارت کی تھی میں بلا مقابلہ مشاعرہ
 مخند منتخب کیا گیا تھا۔ پروفیسر صاحب نے ادراہ شاگرد نوازی پر
 اپنی ایک ادبی انجمن ادارہ شعور و حکمت کا معتمد بنایا تھا از ۱۹۵۷ء برلن
 تک میں ادارہ شعور و حکمت کا معتمد رہا۔ میں اسی زمانے میں (۱۹۵۹ء)
 سیاست اخبار سے وابستہ ہو گیا تھا ابتدائی دنوں میں محفل شعری
 ترتیب و تنظیم میرے ذمے تھی۔ محترم محبوب حسین جگر صاحب سیاست کے
 ادبی ایڈیشن کے سلسلے میں بھی مجھ سے بہت سے ادبی کام لیا کرتے تھے

اُردو کے قدیم شعراء محمد قلی قطب شاہ سے لے کر اس وقت کے ہواں سال
 شاعر رئیس اختر تک میرے تعارفی مضامین معہ نمونہ کلام سیاست میں
 شائع ہوئے۔ یہ کالم سیاست میں ہر چہار شنبہ کو شائع ہونا تھا میں نے ۱۲۴
 شاعروں کے تعارفی مضامین لکھے تھے جو چھپ چکے ہیں۔ شعراء کے تعارفی سلسلے
 میں میں نے بہت سے شعراء کی کتابوں کے سلسلے میں مغنی صاحب سے تعاون
 حاصل کیا تھا ڈاکٹر صاحب ہمیشہ خوش دلی کے ساتھ مجھ سے تعاون کیا کرتے
 تھے شعراء کے مضامین کی اشاعت کے سلسلے کے بعد سیارث میں اصنافِ سخن
 کا سلسلہ شروع کیا گیا اس سلسلے میں بھی مغنی صاحب نے نہ صرف میرے لئے
 کتابیں فراہم کیں بلکہ ضروری رہبر کی مجھے مناسب و مفید مشوروں سے
 نوازتے رہے۔ دوسرے شاگردوں کے مقابلے میں میرے ادبی کاموں میں
 کچھ زیادہ ہی دلچسپی لیتے تھے مغنی صاحب نہایت مشتاق و محترم استاد رہے
 ہیں بے شمار شاگردوں نے ان کی رہنمائی میں اپنا تعلیمی و تہذیبی سفر جاری
 رکھا۔ ان شاگردوں میں بعض شاگرد مختلف جامعات میں ایم اے ایم
 اے ایم اے پیر فائزر رہے ہیں (فائزر ہیں) شعر و ادب کی دنیا سے وابستہ
 اصحاب نے بھی مغنی صاحب سے فیض حاصل کیا ہے اور بعض اصحاب کے
 حق میں فیض رسانی کا سلسلہ آج بھی جاری ہے مغنی صاحب نے میرے بعض
 شعری مجموعوں کے دیباچے بھی لکھے ہیں ایک شاگرد کی حیثیت سے میں نے
 پروفیسر صاحب کا بہت احترام کیا ہے (آج بھی احترام کرتا ہوں) پروفیسر
 صاحب جب تک شجرِ اردو جامعہ عثمانیہ سے وابستہ رہے اس وقت بھی انہوں

نے اپنے علمی و ادبی کارناموں سے سارے ملک کے دانشوروں کو متاثر کیا۔
 بڑے بڑے سیناروں میں حصہ لیتے رہے۔ تحقیق، تخلیق، تنقید، غرض کہ
 ہر شعبہ ادب میں اپنا مقام بنالیا ہے۔ اپنے ہجرت علمی کی وجہ سے شعر و ادب کے مختلف
 موضوعات کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ شجہ اردو کی جانب سے ہر سال کم از کم
 ایک نمائندہ مشاعرہ کا اہتمام کیا جاتا تھا حیدر آباد کے نمائندہ شاعر مدعو
 رہتے تھے۔ شجہ اردو جامعہ عثمانیہ کے کئی مشاعروں میں مدعو رہا ہوں
 پروفیسر صاحب برسوں سے شعر و ادب کی روشنی پھیل رہے ہیں زبان و
 ادب کی خدمت کا جذبہ ان کی شخصیت میں پیوست ہو چکا ہے۔ مخنی صاحب
 جیسے بہت کم اساتذہ ہوں گے جنہوں نے ساری زندگی زبان و ادب کے
 لئے وقف کی ہو۔ سچ حیدر آباد کے اہم دانشوروں میں شمار
 کیے جاتے ہیں ساری اردو دنیا ان کے علم و فن کی قدرداں ہے طالب علمی
 کے زمانے ہی سے شہر کی علمی و ادبی سرگرمیوں سے وابستہ رہے۔ مخنی صاحب
 اس وقت انجمن ترقی پسند مصنفین کے صدر ہیں پروفیسر صاحب نے ادارہ
 شعر و حکمت کی جانب سے کئی محفلیں آراستہ کیں۔ ماہنامہ صبا کے نامور
 مدیر سلیمان اریب، مخنی صاحب کے بہت ہی قریبی دوست تھے شہر کے
 اہم اور بامقصد ادبی جلسوں کو مخاطب کیا کرتے ہیں ان کی اردو
 دوستی کا سفر آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔

جب سے وہ ادارہ ادبیات اردو کے مستند مقرر ہوئے ہیں ادارہ
 ادبیات اردو کی بہتری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ادارہ انتظامیہ متحرک

ہو گیا ہے ادارہ کے ہر شعبہ کو بامقصد بنا چکے ہیں پروفیسر صاحب کے
 اجلاس پر شاعروں، ادیبوں، اساتذہ و اسکالرز بھی دکھائی دیتے ہیں
 ادارہ کے زیر اہتمام مختلف اوقات میں ادبی جلسوں کا انعقاد عمل میں
 لایا جاتا ہے ادبی و تہذیبی تقاریر اور چھ قلمی نظمیہ کی سالانہ ادبی
 تقاریر برٹے ہی اہتمام سے منائی جاتی ہیں۔ معنی صاحب نے ادارہ
 ادبیات اردو کی سرگرمیوں میں نمایاں تہذیبی لائی ہے ادارہ کے
 کام کو بہت آگے بڑھایا ہے ادبی ٹرسٹ کے بھی ٹرسٹی ہیں۔ جناب
 ابد علی خان اور جناب محبوب جگر بھی معنی صاحب کی بے حد قدر کرتے
 تھے ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کے معترف تھے چنانچہ ان سے سیاست اور
 ادبی ٹرسٹ سے متعلق علمی و ادبی مصروفیات میں تعاون حاصل کیا کرتے تھے
 صاحب علی خان صاحب اور جگر صاحب کی خواہش پر ادبی ٹرسٹ سے وابستہ
 ہو گئے۔ ادبی ٹرسٹ کی ایک ٹینک سے مجھ دن پہلے کی بات ہے کہ عابد علی خان
 اور جگر صاحب کے ساتھ میں بھی عابد علی خان صاحب کے اجلاس پر موجود تھا ان
 دنوں ادبی ٹرسٹ کے رکن (ٹرسٹی) کی جگہ خالی تھی نئے ٹرسٹی کے لئے شہر کی بعض
 اور شخصیتوں کے نام زیر غور تھے لیکن ایک مرحلہ پر جگر صاحب نے فرمایا۔
 معنی صاحب پہلے سے بھروسہ کیے آدمی ہیں، ہمارے آدمی ہیں ادبی ٹرسٹ
 سے ٹرسٹی کے لئے متوزوں ہیں اس تجویز کے دوران میں نے معنی صاحب کے ٹرسٹی
 بنائے جانے کی بھرپور وکالت کی تھی۔ اجلاس میں معنی صاحب کو ٹرسٹی
 مقرر کیا گیا تمام اہلکار ٹرسٹ نے ٹرسٹ کے اجلاس میں بلا تا مل معنی تبسم صاحب

کے نام کی منظوری دی۔ جب ادارہ ادبیاتِ اردو کا مسئلہ پیش نظر رہا تو عابد علی خان
 اور خاجہ جگر صاحب کی خواہش پر معنی صاحب کو معتمد ادارہ ادبیاتِ اردو کے
 ذمہ دارانہ عہدہ کے لئے فائز کیا گیا تھا جہاں وہ معتمد اعزازی کی حیثیت سے پُر
 ذمہ داری نبھاتے ہیں صدر ادارہ محمد علی عیسیٰ صاحب کے زمانے میں معنی صاحب کو معتمد بنایا گیا ان پر بعد
 جناب سید ہاشم علی اختر مداحی و انس چانسلر جامعہ عثمانیہ و علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
 ادارہ ادبیاتِ اردو کے صدر محترم جناب سید ہاشم علی اختر لپٹا مریخو منتقل
 ہونے سے پہلے پروفیسر جعفر نظام سابق و انس چانسلر کالج یونیورسٹی ورننگل
 کو اپنا جانشین بنایا۔ اس وقت پروفیسر جعفر نظام ادارہ ادبیاتِ اردو کے صدر ہیں
 معنی صاحب کئی برسوں تک محلہ نور خان بازار میں مقیم رہے۔ اردو کالج کے
 طالب علمی کے زمانے میں، میں اکثر ان کے دولت خانہ پر جایا کرتا تھا دسک کی آواز
 سنتے ہی پروفیسر صاحب تشریف لائے اور بیٹھے کے لئے کہتے اور چائے کے لئے
 ملازمہ کو آواز دیتے، ۵ منٹ کے اندر چائے آجاتی۔ معنی صاحب اپنے تقریباً
 تمام ملے والوں کی چائے سے نواضع کیا کرتے تھے وہ دور انتہائی خوشگوار دور
 تھا بچھو لوں میں ٹلنے والا دور تھا بہت نئی خوشبوؤں سے دل و جان کو
 مسح کرنے والا دور تھا۔ اردو کالج کی طالب علمی کے زمانے میں میں نے بہت سے
 بین الکلیاتی ادبی مقابلے اردو کالج میں منعقد کیے تھے۔ جلسوں کے انعقاد کے
 سلسلے میں جب بھی ضرورت محسوس ہوتی معنی صاحب سے مشورہ حاصل کر لیا کرتا
 تھا۔ ڈاکٹر حبیبی شاہد صاحب بھی لازماً مشاورت کی جاتی۔ آج کی طرح اس
 دور میں بھی معنی تبسم صاحب کی شخصیت بے حد پرکشش تھی۔ اُن کا ہنر ٹہر کر

گفتگو کرنا، ہر ادبی مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ لب کشائی کرنا، سسکتے ہوئے ادبی مسائل کے لئے رہبری کرنا۔ طلباء میں شعر و ادب کا ذوق پیدا کرنا اور اس طرح کے بے شمار سرگرمیوں کے لئے وہ مرکزیت کی حیثیت رکھتے تھے معنی صاحب کے دوستوں کی ایک لمبی فہرست ہے ہر دوست ان کی دوستی اور ان کی علمی فعالیت کا گرویدہ ہے ہمارے شہر میں بعض ایسے ہی اساتذہ ہیں جن کا شاگرد کہلوانا ایک اعزاز کی بات ہے اور بعض ایسے اساتذہ بھی ہیں جو کبھی اپنے شاگردوں کو متاثر نہ کر سکا اور ایسے شاگرد جو استاد کے منظور نظر ہوتے ہیں ان کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے معنی صاحب کے شاگردوں میں میرے سوا ڈاکٹر اکبر علی بیگ اور ڈاکٹر انور الدین کے نام بھی خصوصیت کے حامل ہیں دیے بے شمار شاگرد رہے ہیں ہر شاگرد کی ہر اسناد کے پاس الگ الگ بھان ہوئی ہے۔ ہر استاد اپنے اچھے شاگردوں کی صلاحیتوں کو سراہتے ہی رہتے ہیں معنی صاحب کا بیگم ناز صدیقی اپنے حقیقی بھائی کی طرح میری عزت کرتی تھیں مجھ سے بعض نجی معاملات میں مشورہ بھی کرتی تھیں انہیں معنی صاحب سے والہانہ عشق تھا دیوانہ وار چاہتی تھیں انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات گوارا نہیں تھی کہ معنی صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں ایک دفعہ ناز صدیقی نے آنکھوں میں آنسو لا کر مجھ سے کہا تھا مجھے معنی صاحب کی بہت فکر رہی ہے آپ معنی صاحب کا خیال رکھیے ان سے کسی مناسب موقع پر میری بے چینی اور میرے انتظار کے کرب کے بارے میں بات کیجئے۔ وہ آپ کی بات مان جائیں گے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ ان کے بہترین شاگرد ہیں

میں کس لئے کہہ رہی ہوں کہ میں ان کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہوں اور وہ اپنے دوستوں کے ساتھ رہتے ہیں مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے۔ ایک مناسب موقع پر یہ بات میں نے پرو فیسر صاحب سے کہی تھی انہوں نے جواباً فرمایا تھا۔ بعض تعلیمی و ادبی مصروفیات کی وجہ سے میں کبھی کبھی دیر سے گھر پہنچتا ہوں۔ ناز صدیقی و کمینس کالج (جامعہ عثمانیہ) میں اردو کی پارٹ ٹائم ٹیچر تھیں میری منہ بولی بہن ڈاکٹر صاحبہ سعید بھی ان کے ساتھ پارٹ ٹائم اردو ٹیچر تھیں ناز صدیقی کی تین کتابیں اندازہ بیان، ساحر لدھیانوی، شخص و شعر، شبلی نقادوں کی نظر میں، کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ عین عالم جوانی میں ان کا انتقال ہوا۔ ناز صدیقی کی جواں مرگی سے منحنی صاحب پر غم کے بہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کی شخصیت دہل کر رہ گئی۔ ناز صدیقی کے انتقال کی خبر سن کر اس وقت کے نام علی و ادلی حلقے ماتم کدے بن گئے تھے۔

یہی کوئی ۲۵ برس پہلے کی بات ہے کہ اگر یہ کچھ لوگوں کی حمایت سے ساگر میں آئے ایس آفیر کی ٹریننگ کے دوران مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا مشاعرہ کے داعی مسٹر کالیا بھوانی (ہریانہ) تھے جو ایک ٹرینی کی حیثیت سے ٹریننگ کے لئے حیدر آباد آئے ہوئے تھے مشاعرے ان کی دلچسپی کی وجہ سے مشاعرہ منعقد ہوا تھا مجھے مشاعرہ کا کمونیئر بننا یا گیا تھا اس مشاعرے میں پرو فیسر منحنی تبسم اور ناز صدیقی بھی مدعو تھے شاعروں کا قافلہ تین موٹر کاروں کے ذریعہ مشاعرہ گاہ پہنچا۔ تمام شاعر پرو فیسر صاحب کے دولت خانہ واقع لکڑی کا پل سے مشاعرے میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے مشاعرہ سے قبل دو اعیان مشاعر

نے نیز تکلف عثمانیہ ترتیب دیا تھا شہر کے نمائندہ شعرا نے شرکت کی تھی تمام شعراء،
 میری قیادت میں مشاعرہ نگاہ پہنچے۔ اس مشاعرہ کو ناز صدیقی نے نہایت پر اثر
 تحریر میں ریکارڈ کیا تھا۔ مشاعرہ کی روداد (آنکھوں دکھا مال) اخبار رسیت
 میں شائع ہوا جس میں ناز صدیقی نے خاص طور پر میری کاوشوں کو بہت
 سراہا تھا۔ ناز صدیقی کے انتقال کے بعد مغنی صاحب بڑی طرح بکھر چکے تھے
 لیکن رفتہ رفتہ وقت و حالات نے ان کے زخموں پر مرہم رکھ دیا۔ ناز صدیقی
 کے انتقال کے بعد مغنی صاحب نے اپنا سارا وقت علمی و ادبی کاموں کے لئے وقف
 کیا ہے اب بھی ان کے دل میں ناز صدیقی کی ہلک بانی ہے لاکھ طوفان آئیں۔
 نرم و گرم ہوا میں چلتی رہیں لیکن آج بھی ناز صدیقی کی ہی طاقت کے سہارے
 مفتی صاحب کی زندگی کا سفر جاری ہے ان کا ادبی سفر ان کی زندگی کے سفر
 میں تحلیل ہو چکا ہے پروفیسر صاحب بعض انجمنوں کے سربراہ بھی ہیں شہر
 کی ہر اہم ادبی محفل میں شریک ہوا کرتے ہیں (اگر فرصت میں ہوں تو)
 مفتی صاحب ادارہ میرا شہر میرے لوگ کے بعض اہم جلسوں میں
 شریک رہے ہیں۔ میری تقریبات تمام کتابوں کی رسم اجراء تقریر میں شریک
 رہے ہیں۔ ۲۶/۲۷ فروری ۱۹۹۹ء کو نہایت اہتمام کے ساتھ نمائش
 کلب میں مفتی صاحب کی ادبی خدمات کے اعتراف میں دو اہم انداز سے
 جلسہ اعتراف خدمات کا اہتمام کیا گیا تھا نامور طنز و مزاح کے شاعر
 بانی فائن آرٹ اکیڈمی و زندہ دالان حیدر بہا دجناب حمایت اللہ
 ادر ممتاز ادیب پروفیسر اکبر علی بیگ اس تقریب کے کھنجر تھے۔ نواب

شاہ عالم خان، صدر نشین الزوار العلوم ایجوکیشنل سوسائٹی صدر استقبالیہ
تھے۔ اس تقریب میں پروفیسر شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر حلیق انجم اور
مجتبیٰ حسین نے بھی شرکت کی تھی اعتراف خدمات کے سلسلے میں شائع شدہ
نذر منہی تبسم اور ششماہی ادبی رسالہ شعرو حکمت کی رسم اجراء
۳ جولائی ۲۰۱۲ء کو مدینہ کالج میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب کے کنوینر جناب
حمایت اللہ تھے۔ اس تقریب کو نامور شعراء شہر یار، زبیر رضوی نے بھی
مخاطب کیا تھا صدارت جامعہ ملیہ کے دانش چانسلر نے کی۔ پروفیسر صاحب ادارہ
ادبیات اردو کے ترجمان ماہنامہ ”سب رس“ کے مدیر ہیں ڈاکٹر اسد محمدی
الدین قادری زور کے قائم کردہ ادارہ ادبیات اردو کی روایت کو باقی رکھتے
ہوئے بہت سی تبدیلیاں لائی گئی ہیں رسالے میں معیاری مضامین شائع ہوتے
ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کی سالانہ تقاریر کے سلسلے میں نامندہ مشاعرہ بھی ہوتا
ہے میں ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے کئی خصوصی
مشاعروں کا مستند رہ چکا ہوں۔ اس سال ڈاکٹر صاحب نے محمد قلی قطب شاہ
تقاریر کے سلسلے میں راج بھون میں مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا اس مشاعرہ کے
داعی و میزبان گورنر صاحب آندھرا پردیش تھے یہ مشاعرہ ادارہ ادبیات اردو
کے تعاون سے منعقد کیا گیا تھا جس میں شہر کے منتخب شعراء ڈاکٹر طہلی
احمد جلیلی، حمایت اللہ، صلاح الدین نبیر، رئیس ختر، طالب خوند میر،
مفضلہ مجاز، علی الدین نعید، پروفیسر سلیمان اطہر جاوید، مصطفیٰ علی بیگ،
مومن خان شوق، علی ظہیر حسن فرخ، ذکی بنگرانی اور ستار صدیقی نے کلام

سنایا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کچھ عرصے سے سیاست کے ادبی ایڈیشن میں میری
 بیامن سے اور تحسین شعر کے زیر عنوان اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں
 ڈاکٹر صاحب ایک دفعہ ادبی ٹرسٹ کے مشاعرہ کے کنوینر بھی رہ چکے ہیں
 ان کی نثری و شعری کتابوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے نثری کتابیں
 قاتل حیات، شخصیت اور شاعری۔ قاتی کی نادر تحریریں، بازیافت
 اور زارِ راہ۔ نغموں کے آگے اور شعری مجموعے یہ ہیں۔ نوائے تلخ
 پہلی کرن کا بوجھ۔ مٹی مٹی میرا دل ہے، ڈاکٹر مغنی تبسم کی ادبی زندگی
 تمام اردو والوں کے لئے روشنی کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس کا فیض آج
 رواں کی طرح جاری ہے۔

زاہد علی خان

(پٹر سکون، باصلاحیت، ذہین و فطین صحافی)

پٹر سکون، باصلاحیت، یا حوصلہ، ذہین و فطین صحافی جناب زاہد علی خان نے اخبار سیاست کو آج جن بلند یوں سے ہم کنار کیا ہے۔ اس کی مثال عصر حاضر کی اردو صحافت میں شاید ہی مل سکے۔ جناب زاہد علی خان مدیر سیاست نے اپنے والد محترم جناب عابد علی خان اور چچا جناب محبوب حسین جگر کی وراثت کو ایک مقدس امانت کی طرح جس انداز سے نیز گام کیا ہے اُن کی شب و روز کی محنت اور اُن کی اعلیٰ صلاحیتوں کی منظر ہے۔ آج ہندوستان کے اردو اخبارات میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے سیاست کا مقابلہ شاید ہی کوئی اور اردو اخبار کر سکے۔ زاہد علی خان صاحب نے اپنی اعلیٰ روایت پر

”فائز رہتے ہوئے حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کے پیش نظر بہتر سے بہتر انداز میں سیاست کو اور بھی اُدنیا کیا ہے۔ ادبی زبان کی آمیزش نے سیاست کی صحافی زبان کو رنگ و آہنگ عطا کیا ہے۔ صحافتی دیانت داری، اصول پسندی اور ضابطہ اخلاق کی سرجمانی کرنے والا یہ اخبار صداقت پر مبنی معلومات آفریں خبروں، اعلیٰ درجہ کے سیاسی و ادبی مضامین اور معیاری شعری ادب کے نئے گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ ایک ایسا اخبار ہے جس کے تمام گوشے تمام اُردو لکھنے پڑھنے اور اُردو بولنے والوں کے ذہن و فکر کو روشن کر رہے ہیں یہ ایک ایسا اخبار ہے جو عالمی مقبولیت کا حامل ہے جو بیرونی ممالک میں مقیم اُردو داں طبقے کے ذوق کی تکین کا بھی باعث بنا ہوا ہے۔

جناب زاہد علی خان نے ادارہ سیاست کے زیر اہتمام بہت سے علمی و ادبی، فلاحی و قومی، ملی و تہذیبی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے خاص طور پر تعلیمی، فلاحی، دینی و تہذیبی امور میں سیاست کی خدمات ناقابل فراموش ہیں عابد علی خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر اہتمام اُردو تعلیم (اُردو دان، زبان دان اور انشاء) کو فروغ دینے کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے جا رہے ہیں وہ غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ آج کے دن کسی نہ کسی افادی اسکیم کو تقویت پہنچانے کے لئے سرگرمیاں جاری ہیں۔ عابد علی خان صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب

کے انتقال کے بعد اخبار کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ زاہد علی خان صاحب نے سیاست کی اعلیٰ روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اخبار کو مزید بلند سطح پر پہنچایا ہے سیاست کی جانب سے گذشتہ ۷ برسوں سے سیاست پندرہ روزہ انٹرنیشنل شائع ہو رہا ہے پھر سیاست بنگلور ایڈیشن نے بھی سیاست کی مقبولیت میں اضافہ کیا ہے یہ صرف اور صرف زاہد علی خان صاحب کی ذہانت، اُن کے حوصلے اور اُن کی دانشوری کا ہی نتیجہ ہے کہ سیاست کا ہر شعبہ نہایت عمدگی اور ذمہ داری کے ساتھ اپنا کام انجام دے رہا ہے۔ زاہد صاحب کے چھوٹے بھائی ظہیر الدین علی خان صاحب مینجنگ ٹرسٹی کی مساعی جلیلہ اور اُن کی ذمہ دارانہ طرزِ صحافت زاہد علی خان صاحب کے لئے ایک نعمت غیر متوقعہ ہے پھر اُن کے جواں سال فرزند عامر علی خان صاحب سینئر سیاست کارِ روشن دماغ، اُن کی کام سے دیکھی سیاست کی ترقی و بہتری کے لئے کار فرما ہے۔ آفس کا دیانت دار اسٹاف بھی نہایت فرض شناسی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتا رہا ہے۔

تھو شنگوار ماحول میں سچی لکھنے سے کام کرنے والے لوگ سیاست کی مقبولیت میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔ ساری اردو دنیا میں سیاست کا نام روزِ روشن کی طرح ہر قاری کے گوشِ دل میں جلوہ گر ہے۔ زاہد علی خان صاحب یہ ذاتِ خود ایک بلند مرتبت

اڈ منسٹریٹر ہیں۔ باصلاحیت مدبر اور بہترین انسان میں اسٹاف کے ساتھ اُن کا سلوک دوستانہ، برادرانہ اور مخلصانہ ہے ہر مسئلہ کو نہایت خوش اسلوبی سے سمجھاتے ہیں خود اعتمادی ان کی طبیعت کا خاصہ ہے حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر ہے ایک باخبر صحافی کی طرح اپنی صحافتی ذمہ داری کو عملیاتی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں وقت اور ضرورت کے تحت سیاست میں نئے کاموں کا اضافہ کیا گیا ہے سیاست ایک مکمل اخبار ہے کیا نہیں ہے سیاست اخبار میں۔ ہر طبقے اور ہر مکتب خیال کا پذیریدہ اخبار ہے زاہد علی خان صاحب نظام کالج سے بی اے کرنے کے بعد ۱۹۶۲ء میں سیاست اخبار سے وابستہ ہو گئے اپنے والد محترم جناب عابد علی خان اور اپنے چچا جناب محبوب حسین جگر کی سرپرستی میں اپنے صحافتی سفر کا آغاز کیا۔ عابد علی خان صاحب کے انتقال کے بعد ایڈیٹر بنے۔ جناب محبوب حسین جگر جو اسٹڈی ایڈیٹر ہی رہے۔ لیکن اخبار کا مکمل انتظامیہ جگر صاحب کی زیر نگرانی کام کرتا تھا جگر صاحب کی رات سرپرستی میں زاہد علی خان صاحب کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا پورا موقع ملا۔ جگر صاحب کے انتقال کے بعد زاہد علی خان صاحب پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوئی ہے نہایت سلیفے اور حوصلے کے ساتھ اخبار کی بہتری کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔ زاہد علی خان صاحب کا خاص وصف اُن کا اپنا طرزِ خیال

انتہائی خوشگوار ماحول میں آفس کا اسٹاف کام کیا کرتا ہے اسٹاف کی ہر محفول درواریات کا خیال رکھتے ہیں سارا اسٹاف اعتبار کی فضاء میں کام کر رہا ہے "سیاست" کا کچھ ایسا ماحول ہے کہ "سیاست" کا اسٹاف اپنے آپ کو "سیاست" کا ملازم نہیں سمجھتا یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی "سیاست" کا کام لاپرواہی کی نظر نہیں ہوتا۔ زاہد علی خان صاحب کے آنے سے پہلے میں سیاست سے وابستہ ہو چکا تھا ان سے کبھی بھی اخبار کے سلسلے میں سابقہ نہیں پڑتا تھا بالراست عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی نگرانی میں حسب ہدایت میں اپنا شری کام اور دیگر ادبی امور انجام دیا کرتا تھا زاہد علی خان صاحب سے صرف علیک سلیک کی حد تک ہی میرے روابط تھے۔ عابد علی خان صاحب نے ادبی ٹرسٹ کے قیام کے بعد مجھے آفس سکرٹری کی حیثیت سے ادبی ٹرسٹ کے آفس کی ذمہ داری سونپی تھی جو بھی شاعر و ادیب عابد علی خان صاحب سے ملنے کے لئے آتے تو میرا بہت اچھے انداز میں تعارف کر دتے اور ان سے یوں کہتے تھے کہ بہت اچھے شاعر ہیں اور میرے ادبی سکرٹری ہیں۔ آج بھی میں ادبی ٹرسٹ کی ذمہ داری کو اعتماد کی فضاء میں بخوار ہا ہوں۔ جناب عابد علی خان اور جناب محبوب حسین جگر کی طرح جناب زاہد علی خان صاحب بھی مجھ پر کافی مہربان ہیں۔ انھیں اس بات کا احساس ہے کہ میں چائیس پرس سے "سیاست" سے

وابستہ ہوں۔ میری وابستگی، دیانتداری اور فرض شناسی میرا مسلک
 حیات ہے سیاست اخبار سے میرا رشتہ ۱۹۵۹ء سے قائم ہے جب کہ
 میں اردو کالج کا طالب علم تھا سکرٹریٹ میں پنچایت راج ڈپارٹمنٹ میں
 اسسٹنٹ سکشن آفیسر تھا سکرٹریٹ جانے سے پہلے بھیج دس بجے
 سیاست پہنچتا ساڑھے تین بجے تک رہتا اور شام میں ساڑھے پانچ
 بجے سے ساڑھے چھ بجے تک سیاست میں رہتا۔ اتوار کے سوا تمام
 تعطیلات میں دس بجے صبح سے چھ بجے تک موجود رہتا۔ شعر و ادب اور
 ادبی ٹرسٹ کے کاموں میں مصروف رہا کرتا۔ سیاست سے میری وابستگی
 کی ایک طویل مدت ہے طویل ادبی مصروفیات کا ایک تسلسلہ ہے
 میں نے سیاست میں گزرے ہوئے ایک ایک لمحہ کو اپنی کتاب سائبان
 (محبوب حسین جگر) میں محفوظ کیا ہے یہ کتاب جگر صاحب کے انتقال
 کے بعد میں نے لکھی ہے (جس کو اردو اکیڈمی آندھرا پردیش نے انعام سے
 نوازا)۔ جب کتاب کی پہلی جلد میں نندراہ علی خان صاحب کے حوالے کی
 قوہ حیرت میں پڑ گئے اور مجھ سے فرمایا۔ ”آپ نے کتاب کی اشاعت
 کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔“ میں نے کہا ”یہ کام میں نے بہت
 خاموشی سے کیا ہے اور یہ طے کر لیا تھا کہ کتاب شائع ہونے کے بعد
 آپ کے علم میں آئے اور کتاب کی پہلی جلد آپ کی خدمت میں
 پیش کروں۔“

زاہد علی خان صاحب نہایت پابندی کے ساتھ صبح ساڑھے دس بجے آفس آتے ہیں، ایک بجے پینج کے لئے ٹھر چلے جاتے ہیں اور پھر چار بجے شام آفس آتے ہیں اور آٹھ بجے شب تک معروف کار لیتے ہیں۔ صبح کے وقت "سیاست" کے مین ہال میں تشریف دیا رہتے ہیں۔ ان کے اجلاس پر ان کے فرزند جناب عامر علی خان صاحب نیوز ایڈیٹر اور ان کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ شہجیح بھی رہتی ہیں آفس کے اوقات میں ضرورت مند حضرات و خواتین زاہد علی خان صاحب سے ملنے کے لئے آتے ہیں، ہر ایک سے خوش اخلاقی کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں جو کام بھی اخبار سے متعلق یا زاہد صاحب سے متعلق ہو ہے فراخ دلی اور خوش مزاجی کے ساتھ انجام پاتا ہے زاہد صاحب شہر کے معزز شہریوں کے علاوہ عام شہریوں سے بھی کھلے ذہن اور کھلے دل سے ملتے ہیں۔

زاہد علی خان صاحب کئی برسوں سے ادبی ٹرسٹ کے ٹرسٹی تھے عابد علی خان صاحب کے انتقال کے بعد تمام ٹرسٹینز نے ایک خصوصی اجلاس میں انہیں مینجنگ ٹرسٹی نامزد کیا۔ اس وقت ڈاکٹر سید عبداللہ صدر نشین ادبی ٹرسٹ ہیں ادبی ٹرسٹ کے مشاعرے ۳۱ برسوں تک کامیابی کے ساتھ ہوتے رہے۔ زاہد علی خان صاحب اپنی غیر معمولی مصروفیات کی وجہ سے مشاعروں کے تسلسل کو برقرار نہ رکھ سکے تھے لیکن

انہوں نے چار سال کے بعد ادبی ٹرسٹ کے مشاعروں کا احیاء کیا۔ ۱۸ نومبر
 سنہ ۱۹۲۲ء کی شب عظیم اشان پیمانے پر عابد علی خان آئی باپٹل کی مالی اعانت
 کے لئے قلی قطب شاہ اسٹیڈیم میں کل ہند مشاعرہ ہوا۔ چیف منسٹر آندھرا
 پردیش جناب امین چندرا بابو نائیڈو نے مشاعرہ کا افتتاح کیا اور اردو
 میں تقریر کی۔ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے صدر جناب سلطان صلاح الدین
 اویس ایم پی نے صدارت کی۔

جناب زاہد علی خان صاحب شہر کے بہت سے اہم و نمائندہ علمی و
 ادبی اداروں سے وابستہ ہیں کہیں نائب صدر کی حیثیت سے تو کہیں
 صدر کی حیثیت سے۔ اردو گھر ٹرسٹ کے صدر ہیں اور ادارہ ادبیات
 اردو کے نائب صدر۔ راہ صاحب ایک نامور صحافی تو ہیں ہی۔ لیکن
 اعلیٰ درجہ کے مقرر بھی ہیں۔ انھیں اردو شعر و ادب سے گہری وابستگی
 ہے۔ قنون لطیفہ سے ان کا گہرا رشتہ ہے وہ زبان و تہذیب کے تمام مسائل
 سے گامخیز واقفیت رکھتے ہیں۔ ملک کے تمام اہم سیاسی و غیر سیاسی
 ادبی و علمی شخصیتوں سے ان کے مراسم ہیں بڑی بڑی کالفرنسوں کا
 افتتاح کرتے ہیں وہاں خصوصی اور صدارت کے قرائع انجام دیتے ہیں
 اپنے ویر کی آواز پر بے یا کانہ اظہار خیال کرتے ہیں ہر مسئلہ پر کھل
 کر خطاب کرنے کی ان میں اخلاقی جرات ہے۔ ضروری ہو تو مسائل
 پر تنقید کرتے ہیں لیکن ان کی تنقید مصلحانہ ہوتی ہے جارحانہ

تہیں۔ ”سیاست“ اخبار کو اپنی بنیادی پالیسی اور اپنی قدیم روایات پر قائم رکھتے ہوئے کسی بھی سیاسی یا غیر سیاسی پارٹی کا اخبار نہیں بنایا۔ آزادانہ خیالات کے حامی ہیں۔ محدود نقطہ نظر نہیں رکھتے۔ اپنے والد محترم سے ملنے والوں کا احترام کرتے ہیں اپنے سے چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھتے ہیں اور اپنے دوستوں سے بہترین مراسم کو پسند کرتے ہیں زاہد علی خان صاحب ایک کامیاب مدیر اور مہذب شہری کی حیثیت سے ساری اردو دنیا میں مشہور ہیں حیدر آباد میں ہر مشکل موقع پر لوگوں کی نظر زاہد علی خان صاحب پر پڑتی ہے ریاست اور مرکز کی ہر حکومت نے سیاست اخبار کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے موجودہ چیف منسٹر جناب این چندرابا بونا ئیڈو، زاہد صاحب کی عزت کرتے ہیں سیاسی قائدین سے چاہے ان کا تعلق کسی بھی پارٹی سے کیوں نہ ہو، ان کے تعلقات خوشگوار ہیں۔

کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام ہونے والے کل بین نعینہ مشاعروں کے نگران ہوا کرتے ہیں، خاص طور پر بیرونی شعراء کی فہرست کو صرف زاہد علی خان صاحب ہی قطعیت دیتے ہیں اردو نثر یکسے تعلق رکھنے والے اداروں اور شخصیتوں سے وابستگی رکھتے ہیں سیاست میں ہر مکتب خیال کے اداروں اور شخصیتوں سے متعلق مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں ”سیاست“ اخبار سب کے لئے ہے۔ تمام

اردو پڑھنے والوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو اردو
 زبان سے دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کے لئے بھی جو اردو نہیں جانتے
 مگر سیاست کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں زاہد علی خان صاحب کو ابھی
 بہت لمبا سفر طے کرنا ہے لیکن انہوں نے جتنا بھی سفر طے کیا ہے وہ
 - قمر ایلبے کہ ان کے دوران سفر ان کی راہوں میں پھول بچھائے گئے
 تھے۔ معاشرہ کے ہر تہذیب شہری نے دل و جاں سے ان کا خیر مقدم
 کیا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے زاہد علی خان صاحب بذاتِ خود ذی مرتبت
 شخصیت کے حامل ہیں۔ اعلیٰ خاندانی پس منظر رکھتے ہوئے بھی عام لوگوں سے
 ملنے میں عار نہیں سمجھتے۔ عز و دو تکبر قسم کی کوئی چیز ان کے قریب نہیں
 بھٹکتی۔ ان کا سلسلہ نسب شہر کے معزز ترین صاحبِ کمال خاندان
 سے منسلک ہے حیدر آبادی روایات اور اعلیٰ اقدار کی ترجمانی کرتے ہیں۔
 خود اعلیٰ اقدار کے قائل ہیں اور چاہتے ہیں کہ حیدر آباد کے لوگ حیدر آباد
 کی شناخت اور تہذیب کو باقی رکھیں۔ اپنے قدیم ورثے کا تحفظ کریں۔
 بلا تفریق مذہب و ملت زبان و تہذیب اپنے مراکم ایک بہترین شہری
 کی طرح برقرار رکھیں۔ زاہد علی خان صاحب ہمارے شہر کے لئے ایک
 بیمارہ نور ہیں، خدا اس روشنی کو سلامت رکھے تاکہ اس روشنی
 سے فیضیاب ہونے والے اپنی زندگی کو آجالوں سے محروم کر دیں۔

خلیل الرحمن

باشعور سیاسی رہنما مہذب شہری ادب نواز محب اردو

ہمیں اپنے معاشرہ میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا رہتا ہے جن سے پہلی ملاقات کے وقت ہی شدت سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ایسی محترم شخصیتوں سے اس سے پہلے کیوں ملاقات نہیں ہوئی۔ بعض لوگوں کی اچھائیاں اور خوبیاں پہلی ملاقات ہی میں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو برسوں کی رسم و راہ کے بعد بھی پوری طرح کھل نہیں پاتے۔ جو لوگ بادِ صبا کی پہلی انگڑائی سے لے کر کلیوں کے کھلنے تک معاشرہ میں اپنے وجود کا احساس دلانے میں ایسے لوگ بھی خوشگوار روابط کی اساس پر انسانی رشتوں کو متور کرتے رہتے ہیں تبکیوں اور خوبیوں کی خوشبو بھی محصور نہیں رہتی بلکہ دورِ دور تک پھیل جاتی ہے اور وہاں تک پہنچتی ہے جس سے فیض پانے والے لوگ اپنی آنکھیں بچھائے رہتے ہیں شائستگی اور خوش مزاجی

اچھے انسانوں کی ایک خوبصورت نشانی ہوتی ہے جو ہمیشہ سروسائٹی میں اپنے منہرک وجود کا احساس دلاتی رہتی ہے کچھ ایسے لوگ بھی آنکھوں میں سما جاتے ہیں جن کی شخصیت معاشرہ میں اُجالوں کی ضامن بن کر دور و نزدیک کے اندھیروں کو روشنی میں بدل دیتی ہے۔ کچھ ایسی بھی شخصیتیں ہوتی ہیں جن سے ملاقات کرنے اور اُن سے روابط کو استوار رکھنے کو جی چاہتا ہے ایسی ہی پُرکشش، مہذب شخصیت بناب خلیل الرحمن سابق رکن پارلیمنٹ کی بھی ہے خلیل الرحمن صاحب جیسی شخصیت کا وجود آج ہماری تہذیب و ثقافت کی بقاء کے لئے ناگزیر ہے۔

۳۵، ۳۶ برس پہلے کی بات ہے کہ خلیل الرحمن صاحب سے میری پہلی ملاقات کوڑنگل کے ایک مشاعرہ میں ہوئی تھی وہ زمانہ میری ابتدائی شاعری کا زمانہ تھا اُن دنوں خلیل الرحمن صاحب انجمن ترقی اردو کوڑنگل کے جنرل سیکریٹری تھے جنہوں نے بہت ہی عمدگی کے ساتھ جشن پنڈت دامور دھکی کا اہتمام کیا تھا۔ اُن کے رفقاءے کار میں نامور شاعر محب کوثر کے علاوہ کوڑنگل کے کچھ ایسے بااثر لوگ بھی تھے جو اردو زبان اور اردو شعروادب سے وابستہ دلچسپی رکھتے تھے اُس مشاعرہ میں اردو ہندی کے نامور شاعر جناب کنول پیرث دکنول کی قیادت میں حیدر آباد سے تقریباً ۲۰، ۲۵ شاعروں نے شرکت کی

تھی پنڈت دامودر ذکی بہت ہی عمدہ شاعر تھے ان کے شاگرد کج بھی کوڑنگل اور محبوب نگر میں موجود ہیں جناب خلیل الرحمن صاحب کو طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر و ادب سے دلچسپی ہے وہ شاعر تو نہیں ہیں لیکن ان کی اردو ادبیات پر گہری نظر ہے۔ بہترین مقرر ہیں خلیل الرحمن صاحب سے دوسری ملاقات ۲۵ سال پہلے اردو ہال حمایت نگر میں انجمن ترقی اردو کی سالانہ اردو کانفرنس کے سلسلے میں ہوئی۔ جناب خلیل الرحمن صاحب کوڑنگل میں وکالت کرتے تھے وہ ایک مایہ ناز فرزندِ جامو عثمانیہ ہیں۔

تین سال پہلے میں اور ریسل خیر، خلیل الرحمن صاحب کے ساتھ ان کی کار میں گلبرگہ کے ایک کل ہند مشاعرہ میں شرکت کے لئے جا رہے تھے موصوف مشاعرہ میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے وہ مشاعرہ جناب محب کوثر اور قاسم شاہ پوری کی شب و روز کی کاوشوں کا حاصل تھا ہزاروں ادب دوست حضرات و خواتین نے شرکت کی تھی خلیل الرحمن صاحب نے دورانِ سفر کہا تھا کہ جب این ٹی رامارائو چیف منسٹر آندھرا پردیش بنے تو انہوں نے کوڑنگل سے انہیں بلا کر تلگو دیشم پارٹی کا رکن بنوایا۔ خلیل الرحمن صاحب نے گفتگو کے دوران کہا کہ ایک ایسا موقع آیا کہ میں ایم پی (رکن لوک سبھا) بن گیا۔ ایم پی بننے کے بعد ان کے جوہر کھلنے لگے۔ ان کی صلاحیتوں

کا اظہار ہونے لگا۔ ان کی سیاسی تقریروں اور بیانات سے یہ اندازہ ہونے لگا کہ ان میں سیاسی شعور یہ درجہ اتم موجود ہے انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش سے وابستہ رہنے کی وجہ سے انہیں اُردو کی ترقی و تحفظ کو تقویت پہنچانے کے مواقع ملتے رہے ایم پی کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں اُردو کے مسائل پر زحم کر بحث کرتے رہے۔ اس دور کے اخبارات اس بات کے شاہد ہیں کہ کن کن مرحلوں پر ان کی مساعی کامیاب رہی۔ جناب خلیل الرحمن صاحب جس وقت (۱۹۹۰ء) میں رکن پارلیمنٹ تھے انہوں نے مرکزی حکومت کے سربراہوں کو توجہ دلا کر حاجیوں کے لئے ایرپورٹ کی ۷۰ روپے فیس سے مستثنیٰ کروایا جبکہ عام مسافریں کے لئے ایرپورٹ فیس ۷۰ روپے لی جاتی ہے۔ ہندوستان سے ہر سال تقریباً ایک لاکھ مسلمان حج بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں اس طرح انہوں نے دس برسوں میں ۷۰ کروڑ روپے بچائے خلیل الرحمن صاحب کا یہ استدلال تھا کہ چونکہ حاجی مذہبی فریقہ کی ادائی کے لئے جلتے ہیں اس لئے ان سے ایرپورٹ فیس نہ لی جائے۔ جناب خلیل الرحمن صاحب کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش ہے خلیل الرحمن صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلو مسلم معاشرہ میں خاص طور پر ابھر کر آئے گئے چونکہ خلیل الرحمن صاحب فطری طور پر نیک صفت پاک و صاف انسان ہیں اس لئے مشہر کی علمی، ادبی و تہذیبی، فلاحی

تنظیموں سے ان کی وابستگی بڑھنے لگی۔ ہر اہم جلسے کو مخاطب کرنے کا انہیں موقع ملتا رہا۔ شہر کے بعض علمی و ادبی، ملی و ثقافتی اداروں سے ان کی وابستگی ان اداروں کی ترقی میں معاون ثابت ہوتی رہی۔ جناب خلیل الرحمن صاحب کی سیاسی بصیرت کی کئی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں ایک بے باک، باحوصلہ شہری کی طرح ہر وہ مسئلہ جو ان کی نظروں میں سوالیہ نشان بنا رہا ہے اس کی گتھیاں سلجھانے کے لئے پیش پیش رہتے ہیں۔ ان کی مقبولیت میں تندریش اضافہ ہوتا گیا آج ہم محسوس کر رہے ہیں کہ وہ حیدر آباد کے ایک نامور شہری کی حیثیت سے معاشرہ میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں خلیل الرحمن صاحب "سیٹ" میں رہے لیکن انہوں نے کبھی اپنے ضمیر کا سودا نہیں کیا۔ این ٹی راما راؤ کے بعد این چندر بابو نائبہ و کی حکومت میں تلگو دیشم پارٹی کے ساتھ اپنی وفاداری کو نبھاتے رہے لیکن جب تلگو دیشم پارٹی نے مرکزی حکومت کے قیام کے سلسلے میں بی جے پی کا ساتھ دیا تو انہوں نے تلگو دیشم پارٹی کی ابتدائی رکینیت سے بطور احتجاج استعفیٰ دے دیا۔ ایسا انہوں نے ضمیر کی آواز پر کیا لیکن تلگو دیشم پارٹی سے وابستہ دیگر مسلم قائدین اور ارکان ایسا جرات مندانہ قدم نہیں اٹھا سکے اور آج بھی وہ تلگو دیشم پارٹی سے وابستہ رہ کر بی جے پی جیسی مسلم دشمن جماعت کو پردان چڑھا رہے ہیں سارا ملک جانتا ہے کہ کس کس طریقے سے مسلم اقلیتوں کو نقصان

پہونچا جا رہا ہے مسلم اقلیتوں کو ہر روز ایک نئے اذیت ناک مرحلے سے گزرنا
 پڑ رہا ہے لیکن ہمارے شہر کے تلگودیشم کے بعض بے حس ارکان و قائدین
 محض اپنی کرسی اور اپنے ذاتی مفاد کے لئے مسلم معاشرے کے ساتھ کھلواڑ
 کر رہے ہیں تلگودیشم پارٹی صرف کانگریس کی کٹر مخالفت میں بل جے پی کا
 ساتھ دے کر مسلم اقلیتوں کی تباہی کی ذمہ دار بن چکی ہے تلگودیشم پارٹی
 کے قائدین نے ملک کی تمام اقلیتوں خاص طور پر مسلم اقلیتوں کو ناقابل
 تلافی نقصان پہونچا رہا ہے۔ خلیل الرحمن صاحب کی بغیرت و حمیت نے
 انہیں پارٹی چھوڑنے پر مجبور کیا اور انہوں نے اچھا ہی کیا کہ وہ مسلم اقلیتوں
 کی ناراضگی اور ان کے لعن طعن سے بچ گئے اکثر جلسوں میں چاہے وہ
 سیاسی ہوں کہ غیر سیاسی ہوں صدر یا ہمان خصوصی کی حیثیت سے
 شرکت کرنے اور مخاطب کرنے سے ان کی مقبولیت میں آئے دن اضافہ
 ہوتا جا رہا ہے خلیل الرحمن صاحب کو اردو زبان اور اردو شعروادب سے
 والہانہ وابستگی ہے اردو اکیدی کے ڈاکٹر کی حیثیت سے بھی انہوں نے
 اکیدی کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ انجن ترقی اردو آئندہ اپریش
 کے رکن عامل اور ادارہ میر اشہر میرے لوگ کے نائب صدر ہیں انجوان
 پرنس محظم جاہ مجیح کے مستقل ہمان خصوصی ہیں ان کے علاوہ شہر کی
 بعض نمائندہ ادبی و تہذیبی علمی و ملی اداروں سے بھی وابستہ ہیں اردو
 زبان اور تعلیم کے اچھے ہوئے مسائل کی یکسوئی کے لئے وہ کوشاں رہا
 کرتے ہیں نہایت سیدھے سادے، بااخلاق، ہمدرد اور مخلص ترین انسان

ہیں۔ باکر دار، معجز شہری ہیں۔ یقیناً میری طرح ان کی دوستی پر ان کے احباب فخر محسوس کرتے ہوں گے۔ ادارہ میرا شہر میرے لوگ سے وابستہ تمام شاعروں، ادیبوں کو وہ ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ کھلے دل سے ان کی قدر افزائی میں پیش پیش رہتے ہیں ایوان پرنس معظم جاہ شجاع کے مشاعروں میں نہایت پابندی کے ساتھ ہمارے خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے ہیں اور اپنے معلومات آفرین خطاب سے حاضرین محفل کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں سرپرست ایوان پرنس معظم جاہ شجاع پرنس انوری بیگم اور ان کے فرزند پرنس شہامت جاہ، خلیل الرحمن صاحب کی بہت محنت کرتے ہیں اور ان کی ایوان کے مشاعروں میں شرکت پر ممنونیت کا اظہار کرتے ہیں۔

جناب خلیل الرحمن صاحب کی شخصیت شفاف آئینہ کی طرح بے داغ ہے۔ میں نے کسی ایک شخص کو بھی مختلف مسائل پر ان سے غیر ضروری اختلاف کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ دو لوگ انداز میں بغیر کسی ذہنی تحفظ کے اپنے دل کی بات زبان پر لاتے ہیں نہ صرف تقریر کے ذریعہ بلکہ اپنے صحافتی بیان کے ذریعہ بھی اپنے روشن خیالات کے اظہار سے معاشرہ کی رہبری کرتے ہیں اور اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ زندگی کا ہر لمحہ صداقت، رواداری، محبت نوازی اور انسانی رشتوں کی امانت ہونا ہے جس کا حق ادا کرنا چاہیے۔

اپنی زندگی کے اس طویل عرصے میں، میں نے کئی صاحبانِ علم و

والش، اکابرین علم و ادب، با کمال سیاست دانوں اور مہذب شہریوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے لیکن خلیل الرحمن صاحب کی سحر انگیز شخصیت کی بات کچھ اور ہے ان کی شائستگی، اُن کا مخصوص رکھ رکھاؤ معاشرہ کا ایک اہم حصہ بن چکا ہے ان سے ملاقات کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے خاص طور پر شاعروں، ادیبوں اور محبانِ اردو سے انھیں آئے دن سابقہ پڑتا ہے ان میں یہ بات یقیناً منفرد ہے کہ انہیں لوگوں کو پہچاننے میں دیر نہیں لگتی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے ہی علمی و ادبی جلسوں میں شرکت کرنا پسند کرتے ہیں جہاں انھیں شرکت سے خوشی محسوس ہوتی ہے چاہے وہ کوئی بھی موضوع ہو وہ بے باکانہ اظہارِ خیال میں تامل نہیں کرتے۔ خلیل الرحمن صاحب ہماری ادبی محفلوں میں بہ خوشی شرکت کرتے ہیں اور اپنے بہترین خیالات سے ہماری محفلوں کو سُر نور بنا دیتے ہیں میں نے انھیں سوغاتِ نظر کی محفلوں میں بھی گُل افشانی کرتے ہوئے دیکھا ہے سچ تو یہ ہے کہ اُن کی مختلف خوبیوں اور اُن کی ہمہ رنگی قابلیت کی وجہ سے محبانِ اردو اُن کے خیالات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں خلیل الرحمن صاحب کئی برسوں سے ادارہ میراثہ میرے لوگ، ایوانِ پرس و محفلِ شمع سے وابستہ ہیں جن کے وجود کا احساس ان اداروں کی بہترین سرگرمیوں کے لئے ایک طاقت کی حیثیت رکھتا ہے خلیل الرحمن صاحب کے بیانات چاہے وہ سیاسی ہوں کہ ادبی نئے نئے متوازن انداز میں ہوتے ہیں جو کچھ وہ کہنا چاہتے ہیں بے لاگ اور جامع انداز میں کہہ جاتے ہیں ان

کے ہاں مصلحت پسندی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے مسائل پر مدلل گفتگو کرتے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ ان سے جب ان کے قدیم دوست ملتے ہیں تو وہ بے ساختگی کے ساتھ حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں اپنے قدیم دوستوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنی تہذیب رفتہ ماضی کی روایات کا تذکرہ بار بار کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ورثے سے کس قدر لگاؤ ہے خلیل الرحمن صاحب ایک صاحب الرائے انسان کی طرح کئی لوگوں کے مسائل کو بہترین طریقہ سے سلجھانے میں کامیاب رہے ہیں۔ شرافت، مردت، خلوص و انسانیت ان کی گھٹی میں پٹری ہے انہیں نام و نمود کی خواہش نہیں ہے ان میں اس قدر خوبیاں ہیں کہ مختلف تنظیموں کے سربراہ ان کو اپنے جلسوں میں مدعو کر کے اپنے جلسوں کی شان میں اضافہ کرتے ہیں خلیل الرحمن صاحب کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ ان کے نام سے جلسوں کی توقیر میں اضافہ ہوتا ہے ان سے ملنے والوں کی ایک بکثرت تعداد ہے لیکن بعض ملاقاتیوں سے فاصلہ رکھ کر گفتگو کرتے ہیں روابط و رسم و راہ کے لئے بخالت سے کام نہیں لیتے لیکن شخصیتوں کو پرکھنے کا انہیں ملکہ حاصل ہے نبض شناس، دیدہ ور، باصلاحیت انسان کی طرح وہ اپنے معاشرہ کے ایک ممتاز شخص ہیں ان کی خوش مزاجی ان کی طبیعت کی وارفتگی اور ان کے ظاہر و باطن کی یکسانیت نے بھی ان کو اپنے ساتھیوں میں مقبول بنا دیا ہے ان کی شائستگی، بذلہ سبزی ان کے مزاج کا ایک پُر اثر حصہ ہے آدابِ محفل، اندازِ گفتگو کچھ اس

طرح کا ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ، مہذب، باوقار اور اعلیٰ ظرف
 خاندان سے رہا ہے۔ خاندانی شرافت، فطری نفاست، ذہنی و فکری
 نعمتوں نے ان کی شخصیت کو اور معین بنا دیا ہے ہمارے معاشرہ نے
 ہمیشہ ان کے کام کی قدر کی ہے ان کا وجود روشنی کا ایک تسلسل ہے جو ان
 کے پوتوں سے نسلاً در نسلاً چلا آ رہا ہے خلیل الرحمن صاحب کی
 رفاقت پر ہمیں فخر محسوس ہوتا ہے میری ہمیشہ یہ خواہش رہے گی کہ
 خدائے برتر ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کی بے پناہ محبت سے مستفید ہوتے رہیں۔

پروفیسر افضل محمد

(ہونہار فرزندِ جامعہ عثمانیہ - نامور دانشور اور ماہر تعلیم)

جامعہ عثمانیہ کے بے شمار صاحبانِ علم و فن، دانشورانِ فکر و نظر اور بابِ فہم و فراست کے نام ایک ہی سانس میں کچھ اس طرح لیے جاسکتے ہیں جس طرح نوز و نعمات کی بارش میں بہائے ہوئے لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے سرزمینِ دکن نے ایسے ایسے لاجواب جماعہ یاروں کو جنم دیا ہے کہ جن کی چمک مہذبِ دنیا نے گوشے گوشے میں جلوہ گر ہے اور جس سے ہماری عطر و عنبر میں بھیگی ہوئی مٹی چمکتی نکلتی ہے۔ ہر دور میں تمام شعبہ حیات میں حیدر آباد کے نامور لوگوں نے نہ صرف اپنی اعلیٰ اصلا حیثیتوں اور اپنے بے مثال گارناموں سے اعلیٰ سطح پر اپنی پہچان بنائی ہے بلکہ حیدر آباد کا نام بھی روشن کیا ہے علمی، ادبی ہو کہ سیاسی و غیر سیاسی، تہذیبی و ثقافتی ہو کہ ملی و فلاحی وہ کونسا ایسا شعبہ ہے جس میں حیدر آباد کے باصلاحیت صاحبِ کمال لوگوں نے اپنی شخصیت کو نہیں منوایا۔ یہاں کے لوگ امتحان

در امتحان قدم بہ قدم کچھ ایسے مقامات سے بھی گزرتے رہے ہیں
(گزر رہے ہیں) کہ جن کا تصور ہی دوسروں کے حوصلوں کو بڑھا
دیتا ہے۔

ہمارے شہر کے روشن خیال اور منور دل و دماغ رکھنے والے
دانشوروں میں ایک اہم نام پروفیسر افضل محمد کا بھی ہے۔ پروفیسر
افضل محمد کا سارا خاندان تعلیم یافتہ ہے ان کے والد محترم اردو فارسی
کے بلند مرتبت شاعر علامہ حیرت بدایونی اردو شعروادب کی دنیا میں
ایک اہم مقام رکھتے تھے۔ اردو تہذیب کی نمائندہ شخصیت نامور
ناول نگار پدم شری جیلانی بانو ان کی ہمیشہ ہوتی ہیں۔ ان کے
بھائیوں میں احمد جلیس مرحوم ڈپٹی ڈائریکٹر و درشن (بنگلور) کا
نام بھی دانشوروں میں لیا جاتا رہا ہے۔ پروفیسر صاحب جامعہ
عثمانیہ میں شعبہ جغرافیہ سے عرصہ دراز تک وابستہ رہے اس کے بعد
آکر کیا تو جیکل ڈیپارٹمنٹ نے بھی پروفیسر صاحب کی خدمات سے استفادہ
کیا۔ آج وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور اساتذہ کی فہر یا بنیوں سے ڈاکٹر بابا
صاحب امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ پروفیسر افضل محمد
ایک بہترین مفرد اور غیر معمولی صلاحیت و قابلیت کے حامل انسان ہیں
جب اخباروں میں یہ اطلاع شائع ہوئی کہ پروفیسر افضل محمد
بابا صاحب امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے وائس چانسلر بن گئے ہیں تو
خاص طور پر سانی اقلیتوں اور مجاہد اردو کے حلقوں میں جشن

کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے سے
 لوگوں نے اپنی بے پایاں مسرت کا اظہار کیا تھا۔ پروفیسر افضل محمد
 اپنی حد درجہ اہلیت و قابلیت کا مجھ پر احساس دلانے ہوئے
 پوری نیک نامی کے ساتھ اس جلیل القدر عہدہ پر فائز ہیں بابا
 صاحب امبیڈکر ادین یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے
 ان کی مدت ملازمت ختم ہونے کے باوجود بھی ان کی اعلیٰ کارکردگی
 کے پیش نظر مدت ملازمت میں توسیع دی گئی۔ پروفیسر افضل محمد
 ادین یونیورسٹی کے علاوہ ریاست کی بعض دیگر یونیورسٹیوں کے
 انچارج وائس چانسلر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے چکے ہیں
 جامعہ عثمانیہ سے شعبہ جغرافیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ انہیں
 اردو شعروادب سے کافی لگاؤ ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں بی اے کی
 طالب علمی کے زمانے میں وہ مجلہ عثمانیہ (اردو) کے ایڈیٹر تھے اس
 سے قبل جبکہ وہ چادرگھاٹ کالج میں انٹر میڈیٹ کے طالب علم تھے وہاں کے
 نرجان فکر نو کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب ہوئے تھے اپنے دور
 طالب علمی میں کالج کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے
 پروفیسر صاحب اردو کے ایک اچھے ادیب بھی ہیں مختلف موضوعات
 پر ان کے مضامین سیاست میں شائع ہوتے رہتے ہیں سبھی ہوتی
 شخصیت کے مالک ہیں چاہے وہ کوئی موضوع ہو انہیں اظہار خیال میں
 ملکہ حاصل ہے طبیعت کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ وائس چانسلر کے عہدہ پر

فائز ہونے کے باوجود بھی اپنے ساتھیوں اور طالب علموں سے گھل مل کر ملتے ہیں۔ اپنے تمام دوستوں سے بے تکلف اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں انتہائی باوقار، معتبر اور پیرِ خلوص انسان ہیں ان کے مزاج کی سادگی کا یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ انہوں نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور جیام کرنا، پسند نہیں کیا بلکہ اپنے آبائی مکان واقع حیدر پور میں رہنے کو ہی ترجیح دی۔ اب بھی وہ اپنے آبائی مکان میں رہتے ہیں انہیں اپنے گھر کے در و دیوار سے جذباتی لگاؤ ہے اس قدر سادہ طبیعت ہیں کہ کبھی کبھی سودا سلف کے لئے خود نکل جاتے ہیں کچھ مہینوں پہلے کی بات ہے کہ پروفیسر صاحب شام کے وقت ٹہلتے ٹہلتے ملے پٹی کی بٹری مسجد کے رو برو واقع اسٹیشنری کی دکان پر پہنچے۔ فحہ دیکھتے ہی میری سیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ "شاعر کیا ہو رہا ہے؟" میں حیرت میں پڑ گیا کہ ایک وائس چانسلر اور یہاں۔ میں اُس دکان پر اپنے لئے کچھ اسٹیشنری خریدنے کے لئے گیا تھا۔ پروفیسر افضل محمد بھی کسی کام کے لئے وہاں آئے تھے۔ میں ابتدائی شاعری کے زمانے میں علامہ حیرت بدایونی کے دولت خانے پر کسی نہ کسی شاعر کے سلسلے میں جایا کرتا تھا۔ علامہ مجھے بعض مشاعروں میں کلام سنانے کے لئے مدعو کرتے تھے۔ علامہ کے مکان میں کبھی کبھی محفلِ مشاعرہ کا اہتمام کیا جاتا تھا اور یہ اُس وقت ممکن ہوتا جب کسی مشاعرہ یا ادبی تقریب میں مشہور و معروف بیرونی شعراء، ادباء حیدر آباد آتے۔

میں پروفیسر افضل محمد کو تقریباً ۲۰ برس سے جانتا ہوں۔
 پروفیسر صاحب طالب علمی کے زمانے میں اخبار سیاست سے کچھ عرصہ
 کے لئے وابستہ رہے انہوں نے اپنے قدیم دوستوں کو ہمیں بھولا
 اکثر ادبی جلسوں اور دیگر تہذیبی تقاریب میں جب ان سے ملاقات
 ہوتی ہے توجہ خوش ہوتا ہے وہ انتہائی سادگی کے ساتھ اپنے
 دوستوں سے ملاقات کرنے میں شاعروں میں رئیس اختر ان کے
 بے حد فریبی دوست ہیں میرے مراسم کا تسلسل شنکر جی میموریل
 سوسائٹی کے کل ہند مشاعروں سے ہے اس ضمن میں افضل محمد صاحب
 کبھی کبھی مجھ سے تعاون حاصل کیا کرتے تھے۔ خاص طور سے میزبان
 شعرا کی فہرست سے متعلق بھی مشورہ کرتے تھے جناب عابد علی خاں
 اور گلبرہ صاحب کے زمانے میں اکثر دفعہ سیاست آتے تھے آج بھی زاہد علی
 خان سے ملاقات کے لئے سیاست آتے ہیں۔ میں اگر انہیں آفس میں
 دکھائی دیا تو وہ مجھ سے بھی پیرنپاک طریقے سے ملتے ہیں اپنی خوشگوار
 مسکراہٹ کے ساتھ۔ افضل محمد صاحب کئی بیرونی ممالک کے دورے
 کر چکے ہیں اور ہر ملک کے دورہ نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا
 ہے ملک کی بہت سی یونیورسٹیوں کی مختلف کمیٹیوں سے وابستہ ہیں
 شنکر جی مشاعروں کے کنوینیر چکے ہیں۔ پورے اعتماد کے ساتھ
 مشاعرہ کی ابتدائی کارروائی چلانے رہے۔ بیرونی شعرا کے انتخاب کے
 سلسلے میں عابد علی خان صاحب اور گلبرہ صاحب کے مشورہ کو قدر کی نگاہوں

سے دیکھتے تھے۔ اکثر دفعہ جگر صاحب کی فہرست کو ہی قطیعت دی جاتی تھی
 شنکر جی کے مشاعروں کا آغاز عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی
 شخصی ریسپی کا آئینہ دار ہے بانی نمائش سوسائٹی شنکر جی کو اردو
 شعر و ادب سے بے حد لگاؤ تھا ان کا شمار بھی نامور فرزند ان
 و مامو عثمانیہ میں ہوتا ہے۔ اردو شاعری ان کی دلچسپگی کے پیش نظر
 انہیں خراج پیش کرنے کے لئے شنکر جی مشاعروں کا آغاز کیا گیا۔
 مشاعروں کے سلسلے میں محی الدین جیلانی صاحب کلیدی رول ادا کرتے ہیں
 نمائش سوسائٹی کے دیگر ارکان سر سید رحیمی، سید فیروز افضل محمد،
 پنڈت جی کا بھی بھرپور تعاون رہتا تھا۔ مسٹر وینکٹ ریڈی مرحوم بھی
 پیش پیش رہتے تھے۔ سید فیروز افضل محمد، نمائش سوسائٹی کے اعلیٰ عهدوں
 پر مامور رہے۔ نمائش سوسائٹی کے دیراہتمام کام کرنے والے کا جس کے
 مختلف شعبوں کے سربراہ بھی رہے ہیں۔ گذشتہ ۲۵ برسوں سے
 پابندی کے ساتھ شنکر جی کل ہند مشاعرے منعقد کئے جا رہے ہیں جن
 میں ملک بھر کے نامور شاعروں کو مدعو کیا جاتا ہے شنکر جی مشاعروں
 میں ہزاروں لوگ شرکت کرتے ہیں سید فیروز افضل محمد، شریف انفس
 ملنسار، پاک و صاف انسان ہیں۔ ان کے مزاج میں بے حد انکسار کا
 ہے۔ خود داری، وضع داری، مروت و شرافت کی پاسداری کرتے ہیں
 اپنے بزرگوں سے بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ ملنا کرتے ہیں
 احباب سے برابری کا سلوک روا رکھتے ہیں اپنے سے چھوٹوں پر

ہر بان رہتے ہیں پروردگار فیاض نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی وہ میری شہری و
 ادبی سرگرمیوں سے متاثر ہیں، حوصلے بڑھاتے ہیں کچھ عرصے پہلے اوراق ماضی
 کے زیر عنوان میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے علامہ حیات بدایونی کے فن
 اور شخصیت کو خراج پیش کرنے کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد انسٹیٹیوٹ
 میں شاندار پیمانے پر ادبی اجلاس منعقد کیا گیا تھا۔ پروردگار فیاض محمد
 کے علاوہ ان کی بہن جیلانی بانو نے بھی شرکت کی تھی۔ افضل محمد صاحب
 جہاں کہیں بھی جاتے ہیں حیدر آبادی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں
 اگرچہ ان کے والد محترم شمالی ہند (بدایون) سے تعلق رکھتے ہیں لیکن
 علامہ کی تمام اولاد ہمیشہ حیدر آباد کی فضاؤں کی بات کرتی ہے پروردگار فیاض
 روشن دماغ انسان ہیں آج بھی ان کا دل و دماغ اچالوں کا سفر طے کر رہا ہے
 سادگی اور منساری کے باوجود وہ اپنے اصولوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں
 وہ ایسی ہی محفلوں میں نہاں خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرنا پسند کرتے
 ہیں جہاں مقررین ان کے ہم خیال ہوں کسی ادبی تقریب میں شرکت
 کی رضامندی دینے سے پہلے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کن کن حضرات کو مدعو
 کیا گیا ہے اگر وہاں خصوصی اور مقررین میں کوئی ناپسندیدہ شخص ہو
 یا ان کے ہم مزاج نہ ہو تو وہ شرکت سے معذرت چاہتے ہیں
 پروردگار صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں ہر موضوع پر گھنٹوں
 بے زحمان تقریر کرتے ہیں متعلقہ موضوع کی نوعیت کے لحاظ سے مختصر یا
 جامع خیالات کے انجمن پر انہیں قدرت حاصل ہے پروردگار صاحب کی تقریر

کو سامعین پوری توجہ کے ساتھ سنتے ہیں۔ بلا جھجک، بلا خوف و
 خطر، بلا مصلحت صاف صاف لفظوں میں اپنی بات کرتے ہیں۔
 پروفیسر صاحب کی شخصیت اور ان کے کارناموں پر بہت کچھ لکھا
 جاسکتا ہے چونکہ ان کے علمی و ادبی کارناموں کا سلسلہ جاری ہے۔
 انشاء اللہ کسی اور موقع پر ان کے کارناموں کا احاطہ کیا جائے گا۔
 پروفیسر افضل محمد صاحب جیسے باکمال دانشور پر مجھے ہی نہیں اہل
 حیدر آباد کو ہمیشہ فخر رہے گا۔

آصف پاشاہ

(اعتدال پسند سیاسی قائد۔ نفیس آدمی)

ریاست آندھرا پردیش کے علاقہ آندھرا، جیسے کرنول، کرٹیر، وحتیہ اڑہ
 نندیاں، اننت پور و مجبڑہ میں بھی کچھ ایسی شخصیتیں گزری ہیں اور اب بھی
 موجود ہیں جو نہ صرف سیاسی میدان ہی میں شہرت رکھتی ہیں بلکہ
 علمی و ادبی، تعلیمی و ملی خدمات کے سلسلے میں بھی مشہور ہیں۔ خاص طور
 پر کرنول اور گٹاپہ شعروادب کی سرگرمیوں کے لئے ہر دور میں
 سرگرم عمل رہا ہے سارے علاقہ آندھرا میں کرنول اور گٹاپہ ہی دو
 ایسے ضلع ہیں جہاں اعلیٰ پیمائش کے کل ہند مشاعروں کے علاوہ عظیم الشان
 پیمانے پر مذہبی اجتماعات ہوتے رہے ہیں (ایسا سلسلہ آج بھی جاری
 ہے) کرنول کے نواب طلعت اللہ خان صاحب نے اپنی زندگی میں
 بہت سے کل ہند مشاعروں کا اہتمام کیا۔ کئی اردو کافر نسوں کی سرپرستی
 کی۔ اردو ماحول کو برقرار رکھا۔ نواب طلعت اللہ خان صاحب کی

خدمات بھی یاد رکھی جائیں گی۔

آصف پاشاہ صاحب کا تعلق ضلع وحیٹے واڑہ سے رہا ہے ان کے آباء اجداد وحیٹے واڑہ کے صف اول کے ممتاز شہرلوں میں شمار کیے جاتے ہیں وہ وحیٹے واڑہ کے معمول گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں کرسچین کالج گنتور سے گریجویشن کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۷۲ء ایل ایل بی کا امتحان درجہ اول میں کامیاب کیا۔ اپنی اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۸ ابریس تک وحیٹے واڑہ میں وکالت کی۔ کانگریس پارٹی سے وابستہ ہو گئے

ایم ایل اے ہوئے اور وینگل راڈ کی چیف منسٹری کے زمانے میں ۱۹۷۸-۱۹۷۹ء تک قانون، جیل، پرنٹنگ اور شوگر فیکٹریز کے وزیر رہے۔ اقلیتی کمیشن کے چیئر مین رہے۔ جب تلگو دیشم پارٹی برسرِ افزار آئی تو این ٹی راما راؤ چیف منسٹر بنے۔ اُس وقت کانگریس حکومت کے مختلف کارپوریشنس کے صدور نے استعفیٰ دیا۔ آصف پاشاہ صاحب نے بھی استعفیٰ دیا۔ چیف منسٹر این ٹی راما راؤ نے تمام صدور کارپوریشن کا استعفیٰ منظور کیا۔ لیکن آصف پاشاہ صاحب کا استعفیٰ منظور نہیں کیا۔ تلگو دیشم حکومت میں آصف پاشاہ ۸ ماہ تک صدر نشین اقلیتی کمیشن کے عہدہ پر فائز رہے۔ چیئر مین اُردو اکیڈمی کی حیثیت سے بھی آصف پاشاہ کی کارکردگی نمایاں رہی۔ اس وقت جناب عابد علی خان مدیر سیاست مجلس عاملہ کے صدر نشین تھے

نامور مزاح نگار جناب بھارت چندکھنہ ریٹائرڈ ڈپٹی سکریٹری حکومت
 آندھرا پردیش اکیڈمی کے پہلے سکریٹری بنے۔ آصف پاشاہ اور
 عابد علی خان صاحب کے مزاح کی ہم آہنگی نے اردو اکیڈمی کی سرگرمیوں
 کو سر بلند کیا۔ آصف پاشاہ صاحب نے کل ہند مشاعرہ کے سلسلے میں
 مجھے مدعو کیا تھا جو عظیم الشان بیانیے پر کل ہند مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی
 کے زیر اہتمام ۶۹ء میں احاطہ لنگ کوٹھی میں منعقد ہوا تھا۔ جناب
 آصف پاشاہ کل ہند مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے صدر نشین تھے اس
 مشاعرہ میں فلم انڈسٹری کے مایہ ناز اداکار دیپ کار نے شرکت کی تھی
 مشاعرہ میں صرف جبر آباد کے ہی نامور و منتخب شعراء مدعو تھے جن میں
 قابل ذکر سعید شہیدی، خیرات ندیم، کنول پرشاد کنول، شاذ نمکنت،
 صلاح الدین بیکر، رئیس اختر، ناصر کرنولی وغیرہ شامل تھے ان کے دور
 صدارت میں میرے (دوسرے فلمکاروں کے ساتھ ساتھ) دوسرے مجموعہ
 کلام ”زخموں کے گلاب“ کو رنجی اعانت ملی تھی۔ قیام اردو اکیڈمی کے
 بعد اردو اکیڈمی کا پہلا دفتر سکریٹریٹ بلڈنگ کے قریب کی عمارت
 میں کام کرتا تھا جو لے جی آفس کے ردیرو واقع تھا جناب عابد علی خان
 صاحب کی خواہش پر اردو اکیڈمی کے اسٹاف کی مدد کے لئے وقفہ کے درمیان
 کچھ دن تک میں اکیڈمی کے آفس جاتا رہا۔ اس وقت صرف ۳، ۴ افراد ہی
 آفس میں کام کرتے تھے۔ کچھ مہینوں کے بعد اردو اکیڈمی کا آفس
 جناب آصف پاشاہ کی سرکاری رہائش گاہ واقع ریڈ ہلز میں منتقل ہوا۔

جہاں میں بعض ادبی معاملات کے سلسلے میں آصف پاشاہ صاحب سے ملاقات کرتا رہا۔ آصف پاشاہ صاحب کے دور وزارت میں ایک عظیم الشان مشاعرہ وجئے واڑہ میں ہوا تھا۔ مشاعرہ اچانک طے پایا تھا آصف پاشاہ صاحب نے عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب سے یہ خواہش کی تھی کہ حیدر آباد کے نمائندہ شاعروں کو مشاعرہ میں شرکت کے لئے مدعو کریں۔ جگر صاحب نے یہ ذمہ داری مجھے سونپی اور میں حیدر آباد کے نمائندہ شاعروں کو اپنے ہمراہ لے کر ذریعہ ٹرین وجئے واڑہ پہنچا۔ ٹرین کے سفر سے لے کر مشاعرہ کے دوران اور بعد میں بھی تمام شاعروں کی بھرپور ریزسپرائی کی گئی۔ دل کھول کر شاعروں کی خدمت کی گئی۔ جب ہم ریلوے اسٹیشن پہنچے تو ہمارا شاہان شان استقبال کیا گیا۔ تمام شاعروں کی ریلوے اسٹیشن پر کھل پوٹھی کی گئی۔ آصف پاشاہ نہایت سچھی ہوئی طبیعت کے خلیق انسان کی حیثیت سے بہت سے مسخ لوگوں کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ آصف پاشاہ اب بھی کانگریس پارٹی سے وابستہ ہیں۔ ایک درگیر محکم گیر کے قائل ہیں انھیں اردو زبان و ادب اور اردو تہذیب سے بے حد لگاؤ ہے شہر کی ادبی محفلوں اور شاعروں میں شرکت کرتے ہیں لیکن کم کم۔ عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کے زمانے میں سیاست آفس آئے تھے آج بھی زاہد علی خان صاحب سے ملاقات کے لئے آتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی۔ کوئی خاص کام ہو تو۔ اس وقت نظامس چیر بیٹس ٹرسٹ

کے ٹرسٹی ہیں۔ تقریباً تین برس تک ایوانِ پرنس معظم جاہ شجاع کے
 مشاعروں میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے ہیں
 شعری ذوق بہت معیاری ہے لیکن ان کے داد دینے کا انداز نہایت
 سنجیدگی کا مظہر ہوتا ہے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ خلوص کے ساتھ رہتے
 ہیں آصف پاشاہ صاحب سے جب کبھی ملاقات ہوتی ہے تو نہایت عمدہ
 پیشان کا مظاہرہ کرتے ہیں راج بھون کا تقریباً ہر تقریب میں موجود رہتے
 ہیں میں بھی شریک رہتا ہوں وہاں بھی اُن سے ملاقات ہوتی ہے موجودہ
 نائب صدر جمہوریہ ہند جناب کرشن کانت جب گورنر آندھرا پردیش تھے تو
 راج بھون میں وقتاً فوقتاً مشاعروں کے علاوہ مختلف نوعیت کی تہذیبی
 ادبی تقاریب ہوتی تھیں بعض تقاریب کا میں کونوٹیر رہا ہوں موجودہ
 گورنر صاحب نے بھی راج بھون کی روایت کو باقی رکھا ہے آصف پاشاہ
 کم کم میز، کم گو، بے حد نفیس، باکردار مخلص ترین انسان ہیں۔ اپنے احباب
 میں پسندیدگی و قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں سبھی زندگی میں بھی
 آصف پاشاہ کا دامن پاک و صاف رہا ہے ان کے دورِ وزارت میں
 اردو کے لئے جو اُن سے ممکن ہو سکا اعانت کرنے رہے۔ اردو اکیڈمی
 کی صدارت کے دور میں عابد علی خان صاحب صدر مجلس عالمہ کی تجاویز
 اور اُن کے فیصلوں کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرنے تھے۔ دونوں کے
 بہت ہی اچھے اسم تھے۔ حیدر آباد کے معزز گھرانے سے تعلق رکھنے والی
 شخصیت عبدالنار گھٹالہ صوبیدار اورنگ آباد اُن کے خسر محترم تھے

جو محبوب نگر اور حیدر آباد کے کلکٹر بھی رہ چکے ہیں حضور نظام میر عثمان
 علی خان کے معتد بہ پیشی بھی تھے اس وجہ سے ان کے رہن سہن اور
 رکھ رکھاؤ میں آندھرا علاقے کی چھاپ بہت کم دکھائی دیتی ہے محسوس ہی
 نہیں ہوتا کہ آصف پاشاہ کا تعلق آندھرا کے علاقہ سے ہے آصف پاشاہ
 کو میں کئی ادبی جلسوں اور ملتاعوں میں مدعو کر چکا ہوں۔ ان کی تقریر
 نہایت مختصر مگر جامع ہوتی ہے وہ لفاظی اور غیر متعلق باتوں سے
 گریز کرتے ہیں۔ کوئی بھی جگہ کیوں نہ ہو جلسے کی نوعیت کے اعتبار سے
 اظہار خیال کرتے ہیں۔ تہدی پٹنم میں اپنے ذاتی مکان میں سکونت پذیر
 ہیں ان کے احباب اُن سے ملاقات کے لئے ان کے دولت خانہ پر پہنچ
 جاتے ہیں۔ نظامس چیرٹیس ٹرسٹ کے ٹرسٹی کی حیثیت سے اپنی
 ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں نہایت صاف گو اور ایماندار
 آدمی ہیں خوشامد پسندوں کو اپنے سے دور رکھتے ہیں بے حد سمجھ بوجھ
 کے انسان ہیں اردو اکیڈمی کا آفس جب آصف پاشاہ کی قیام گاہ پر
 ہوا کرتا تھا تو وہاں میں نے دیکھا کہ اُن کے ملنے کے لئے سیاسی و غیر سیاسی
 لوگوں کے علاوہ شاعر و ادیب دکھائی دیتے تھے دراصل آصف پاشاہ
 ضرورت مندوں کی ہر ممکنہ اعانت کرتے تھے ہر ملاقاتی سے اُس کی
 حیثیت و رتبے کے لحاظ سے ملاقات کرتے تھے جہاں تک امیرا معاملہ
 ہے وزٹنگ کارڈ بھیجنے ہی بلواتے۔ میری ملاقات صرف اور صرف
 ادبی امور سے متعلق ہوتی تھی (کسی ادبی جلسے یا ملتاعے کے سلسلے میں)

آصف پاشاہ کو میں نے جس محفل میں بھی مدعو کیا وہ شرکت کرتے رہے
 ان کے چہرہ پر ہمیشہ سنجیدگی دکھائی دیتی ہے ان کی مسکراہٹ بھی بڑی
 دلکش ہوتی ہے ان کی گفتگو میں ہلکے سے مزاح کی چاشنی رہتی ہے
 ان سے بات کرتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے ان کی گفتگو سے کبھی یہ
 احساس نہیں دلا یا کہ وہ گفتگو کرنے سے گریز کر رہے ہیں ملاقات میں
 خلوص دل کا مظاہرہ کرتے ہیں میں آصف پاشاہ کی دل و جان سے
 قدر کرتا ہوں مجھے ان سے گفتگو کرتے ہوئے بے حد سکون ملتا ہے
 چنانچہ میں نے محسوس کیا ہے ان کے قریبی دوستوں میں مشہور سیادان
 جناب خلیل الرحمن سابق ایم پی شامل ہیں آصف پاشاہ کے
 بہت کم مشاعروں سے رسم و رواج ہے ان کی اولین فہرست میں میرا اور
 رئیس اخوند کا نام شامل ہے آصف پاشاہ ہم دونوں کی شاعری کے بڑے
 دلدادہ ہیں وہ ابوان پر نس معظم جاہ مجمع کے مشاعروں میں یابندی سے
 شرکت کرتے رہے ہیں۔

دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ آصف پاشاہ کے شب و روز کا ہر لمحہ
 احوالوں کا سفر طے کرتا رہے ابران کے گھر کا خوشگوار ماحول ہمیشہ
 معطف مرفضاؤں سے ہم کنار رہے۔

ڈاکٹر شیاام سند

(بصارت نواز۔ ماہرِ امراضِ چشم اور نامور شہری)

بصیرت کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن بصارت نہ ہو تو انسان بے حد لاچار و مجبور ہو جاتا ہے ساری دنیا میں اس کو سوائے اندھیرے کے کچھ اور نظر نہیں آتا۔ بینائی قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو جائے تو اس کی زندگی بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے۔ کائنات کے حسن سے محرومی انسان کے لئے مسلسل اذیت رساں ہوتی ہے انسان کو اس کی بصارت دوبارہ عطا کرنے کے لئے قدرت اپنے کرمِ خاص سے کچھ ایسی شخصیتوں سے کام لیتی ہے جو اللہ کی مرضی کے تابع ہو کر اندھیروں کو روشنی میں بدل دیتے ہیں بینائی عطا کرنے والا تو اللہ ہے لیکن کبھی وہ اپنے خاص بندوں کو بھی اس کا وسیلہ بنا دیتا ہے۔ ایسا ہر انِ امراضِ چشم قابلِ مبارک باد پس جنہیں خدائے قدوس نے اس اہم انسانی خدمات کے لئے وابستہ کر دیا ہے اور وہ بے شمار

انسانوں کو روشنی کی دولت سے مالا مال کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر شمیم سندس ایک قابل ترین ماہرِ امراضِ چشم کی حیثیت سے اعلیٰ مرتبت کے حامل ہیں۔ ہزاروں لوگوں کی بصارت کسے لئے انہوں نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں (اور یہ کارِ خیر جاری ہے) ڈاکٹر شمیم سندس انتہائی لائق و فائق ڈاکٹر ہیں۔ کاسٹنگ گھرانے کی ایک نامور شخصیت ہیں نہایت شائستہ، نفیس، پُر وقار اور مہذب انسان ہیں۔ ویسے بھی حیدرآباد میں کاسٹنگ گھرانوں سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر اصحاب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ سماج میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں سیاسی و غیر سیاسی، اصلاحی و فلاحی، ادبی و تہذیبی۔ کونسا ایسا شعبہ ہو گا جس میں کاسٹنگ گھرانوں کے سپوتوں نے اپنا نام نہ کمایا ہو۔ ڈاکٹر شمیم سندس حیدرآبادی تہذیب کے پیرو رہے ہیں خالص حیدرآبادی مزاج کے حامل ہیں۔ ان کی طبیعت میں حیدرآباد کی گنگا جمنی تہذیب کے کچھ ایسے عنصر موجود ہیں جو انھیں معتبر کہلوانے کے لئے بہت کافی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب انتہائی خوش مزاج، نرو نازک، شگفتہ اور ہنسنے بولنے انسان ہیں۔ سوسائٹی کے ایک اہم فرد ہیں معاشرہ انہیں سر آنکھوں پر بیٹھاتا ہے وہ ہر محفل میں عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کے بڑاؤ میں ان کے ذاتی اوصاف، اقدار و شرافت کے علاوہ ان کے بزرگوں کی اعلیٰ خصوصیات ملتی ہیں ان کا بڑاؤ انسانی قدروں کا ترجمان ہونا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اردو نہندیب کی نامندہ شخصیت ہیں۔ اردو لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں ان کے گھر کے تمام افراد اردو میں گفتگو کرتے ہیں شفاف آئینہ کی طرح، پاک و صاف لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کو اردو زبان سے بہت محبت ہے۔ اپنے مریضوں اور اپنے احباب سے اردو میں بات کرتے ہیں اردو زبان اور اردو بروایت ان کا موضوع گفتگو رہتا ہے۔ اردو تہذیب کو سراہتے ہیں اور اپنے قول و فعل میں یکسانیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۵ سال پہلے جناب علیہ علی خان صاحب کی معرفت سیاست "آفس" میں ہوئی تھی۔ ان دنوں میں سکریٹریٹ میں سکشن آفیسر تھا ڈاکٹر صاحب کی جائیداد جو ان کے مکان کے آس پاس ہے کچھ مسائل کی وجہ سے محکمہ مال (سکریٹریٹ) میں زیر تصفیہ تھی۔ اس سلسلے میں علی خان صاحب نے مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے کہا تھا لیکن ہوائیوں کہ ڈاکٹر صاحب خود سیاست تشریف لائے اور مجھے اس کارروائی کی نوعیت اور اس کی تفصیلات بتلا گئیں۔ میں نے اپنے وسائل سے ڈاکٹر صاحب کی اس کارروائی کو جو محکمہ مال (ریونیوڈ پارٹمنٹ) کی برف دان کی نذر ہو چکی تھی پیر لگا دیے اور میری کوشش سے ڈاکٹر صاحب کا کام بن گیا۔ کارروائی کے سلسلے میں کبھی کبھی ڈاکٹر صاحب سے ان کی قیام گاہ پر بھی ملاقات ہوتی تھی۔ پہلے چائے سے تواضع کرتے پھر کام کی بات ہوتی۔ اچھے گفتگو میں عابثانہ

صاحب اور محبوب حسین جگر صاحب کی عنایتوں کا تذکرہ کرتے جو ان کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کبھی کبھی عابد علی خان صاحب سے ملاقات کے لئے "سیاست" آجاتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے جب زیادہ قربت حاصل ہوئی تو ان کے اوصاف حمیدہ عیاں ہونے لگے اخبار سیاست سے وابستہ اسٹاف کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ تعاون کیا (اب بھی تعاون کرتے ہیں) اسٹاف میں اگر کسی شخص کی عینائی کا مسئلہ ہو تو جگر صاحب ایک مختصر خط کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کے پاس متعلقہ شخص کو بھیجوانے تھے ڈاکٹر صاحب اس شخص کی پوری طرح پذیرائی کرتے۔

این ٹی رام راؤ صاحب کی چیف منسٹری کے زمانے میں کچھ شریستہ دوس نے ڈاکٹر صاحب کے دو اخلتہ میں گھس کر توڑ پھوڑ شروع کر دی تھی یہ خبر ملتے ہی جگر صاحب نے مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملنے اور سیاست کے لئے رپورٹنگ کرنے کے لئے کہا تھا۔ میں نے یہ خدمت انجام دی کیا سیاست میں تنفیسی خبر شائع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے راج بھون کی خصوصی تقاریر میں اکثر دفعہ ملاقات ہوتی رہی ہے۔ ہمیشہ خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں ڈاکٹر شمیم سندر علی کردار اور اعلیٰ طرف انسان ہیں۔ ان کے ہاں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اپنے مریضوں کی ہمیشہ بہت ہمدھاتے ہوئے اتنی دلچسپ باتیں کرتے ہیں کہ ان کی باتوں سے ہی مریض کی آدھی بیماری دور ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شتیام سندھ اردو کے شاعروں اور ادیبوں کی بہت عزت کرتے ہیں اُن کے کلبنگ میں اردو کے بہترین اشعار خوبصورت فریم کی زینت بنے ہوئے ہیں خاص طور پر بھارت کے موضوع پر اپنے خاص اردو، دونوں کو اشعار دکھلاتے ہیں اردو سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ غیر اردو داں اصحاب کو بھی اردو پر غور کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی میز کے گلے میں عابد علی خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کی جانب سے شائع شدہ کتابیں اردو دان، زبانِ دانی اور انشاء موجود رہتی ہیں بہ کتابیں وہ اردو زبان سے محبت رکھنے والے مریموں کے حوالے کرتے ہیں۔ اردو زبان کے خاص فن حذرت گزار ہیں۔

جب مجھے اندازہ ہوا کہ میری بھارت کمزور ہو رہی تو پہلے میں شاد ڈاکٹر یوسف حسین صاحب سے رجوع ہوا۔ ڈاکٹر یوسف حسین بھی ڈاکٹر شتیام سندھ کی طرح شاعروں، ادیبوں کے قدردان ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین نے میری رائیں سمجھ کر کامیاب انداز پر ریشن کیا جس کے لئے انہوں نے فیس نہیں لی۔ اسی آپریشن کے ایک سال بعد میری مائیں آنکھ کا آپریشن ڈاکٹر شتیام سندھ پر کرنے کہا۔ ڈاکٹر شتیام سندھ صاحب نے بھی اس آپریشن کی کوئی فیس نہیں لی۔ خصوصی سیکس جو وہ امریکہ سے لائے تھے جس کی مجھے ضرورت تھی مجھے عنایتاً کمزور تھے۔ (اس کا بھی کوئی قیمت نہیں لی) ڈاکٹر صاحب کا فراخ دلائی ساوک دیگر شاعروں، ادیبوں کے ساتھ بھی رہتا ہے لیکن محفوظ سے فرق کے ساتھ۔

دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہوگا جہاں ڈاکٹر صاحب نے قدم نہ رکھے ہوں۔ اہم اہم سینما روں میں شرکت کرتے رہتے ہیں بڑے بڑے ایوارڈز حاصل کر چکے ہیں حیدرآباد میں ایک بڑے ایوارڈ فلکشن "انیکتا" میں ایکتا" کے سلسلے میں مجھے یہ اعزاز حاصل رہا کہ میں ڈاکٹر صاحب کا اسم گرامی بھی ایوارڈ یافتہ گان کی فہرست میں شامل کروا سکا۔ ۱۹۹۵ء میں رویندرابھارتی تھیٹر میں عظیم الشان پیلے پر ایوارڈ تقریب منعقد کی گئی تھی۔ گورنر سکیم جذب شیوشنکر کے ہاتھوں انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔ جناب مشتاق حسین اس اسوشن کے جنرل سکریٹری تھے شہر کی نامور ادبی، علمی و تہذیبی شخصیتوں کا انتخاب میرے ذمہ تھا ایوارڈ یافتہ گان میں ڈاکٹر شمیم سندھ علیادہ نواب شاہ عالم خان، ہاشم علی اختر، ڈاکٹر سید عبدالمنان، فلم اسٹار اجیت، محبوب حسین جگر، ڈاکٹر وزارت، رسول خان، غلام احمد، رتنا چاریڈ آئی لے ایس) جیسی نامور شخصیتیں شامل تھیں اس ایوارڈ تقریب سے دو سال پہلے (۱۹۹۳ء) میں بھی رویندرابھارتی تھیٹر میں شہر کی ممتاز شخصیتوں کو "انیکتا" میں ایکتا" ایوارڈ دیا گیا تھا ممتاز شخصیتوں کا انتخاب اُس وقت بھی میرے ہی ذمہ تھا جناب، عابد علی خان ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، حبش سردار علی خان، ایم باگاریڈی اور دیگر شخصیتیں انعام یافتگان میں شامل تھیں خاص طور پر شہر کے ۱۲ ناماندہ شعروں و ادیبوں ڈاکٹر علی احمد جلیلی، رئیس اختر، ناصر کرنولی، ہنپل سنگھ درما ڈاکٹر بالنوطا ہرہ سید، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، حمایت انڈ، مومن خان شوق

پروفیر حبیب صبا، صاحب الطاف، عزیز النساء صبا، مظفر النساء ناز،
 (صدر نشین اسکی ایشن نے میرا نام تمام یافتہ گان میں شامل کیا تھا)
 کو بھی ان تقاریب میں ایوارڈ دیا گیا۔ وہ ایوارڈ ڈاکٹر صاحب کے کلینک
 میں موجود ہے ڈاکٹر شمیم سندھ کا مریضوں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک
 ہوتا ہے ہر مریض سے یہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی پرہیز نہیں ہے جاؤ بریانی کھاؤ
 میرے ڈاکٹر صاحب کا خاص جملہ ہے ڈاکٹر صاحب کے دلاسہ دینے سے مریض
 بعد خوش ہو جاتا ہے ہر روز بیسیوں مریضوں کا معائنہ کرتے ہیں۔

جو پھر میں ۲ بجے سے ۸ بجے شب تک مسلسل خدمت خلق میں مصروف رہتے ہیں
 ڈاکٹر صاحب کو شعر و شاعری سے بھی بے حد دلچسپی ہے ادبی ٹرسٹ، شکر جی
 میموریل سوسائٹی کے کل ہند شعروں میں اشتیاق کے ساتھ شرکت کرتے
 ہیں جناب علید علی خان صاحب کے دولت خانہ پر جتنی بھی ادبی و تہذیبی
 تعمیلیں ہوتی تھیں خاص خاص مدعوئین میں ڈاکٹر صاحب بھی شامل رہتے تھے
 سیاست اخبار سے ان کا بہت قدیم رشتہ ہے ڈاکٹر صاحب حیدر آباد کی تہذیبی
 تہذیب کا ذکر کرتے رہتے ہیں جو لوگ اپنے ورثے کا تحفظ نہیں کر سکتے وہ
 ہندوستان کو ہلانے کے مساعمت نہیں کرتے۔

خدا کرے کہ ڈاکٹر صاحب جیسے لوگ ہمارے شہر میں ہمیشہ موجود
 رہیں تاکہ انہیں دیکھ کر ان سے گفتگو کر کے نئی نسل اپنے بزرگوں
 کی قابلِ قدر روایات کو یاد رکھ سکے۔

خدا ان کی حفاظت کرے اور ان کی مقبولیت میں آئے دن اضافہ
 ہو تا رہے۔

ڈاکٹر وزارت رسول خان

(ذہین و عظیم یا صلاحیت - ماہر تعلیم)

اپنے ہم عصروں میں ایک ذہین یا صلاحیت، ماہر تعلیم کی حیثیت سے
 چیف پروموٹر شاداں کالج آف ایجوکیشنل سوسائٹی ڈاکٹر وزارت
 رسول خان نے جتنی مشہرت حاصل کی ہے ایسی مثال بہت کم ملتی ہے
 شاداں کالج آف ایجوکیشنل سوسائٹی کے (پیرا ہتمام جاری تعلیمی
 سرگرمیوں کو آسمان کی بلندیوں تک لے جانے کا سہرا صرف اور صرف
 ڈاکٹر وزارت رسول خان کے سر جاتا ہے میں شاداں کالج آف ایجوکیشنل
 سوسائٹی کے سلسلے میں اپنی معلومات کی بناء پر یہ کہنے کے توقف
 میں ہوں کہ مجھے صرف ڈاکٹر وزارت رسول خان ہی ایک ایسے شخص
 دکھائی دیتے ہیں جو اتنے بڑے قافلے کے ننہا سالار قافلہ بنے ہوئے ہیں
 یہ ماننا کہ ہر کھرواں کا میر کا رواں ایک ہی شخص ہو نہ سکتا ہے لیکن وہ
 کچھ ایسے مشیروں سے بھی تعاون حاصل کرتا رہتا ہے جو نہ صرف اس

کے ہم خیال ہوتے ہیں بلکہ اس کے لئے بہترین معاون ثابت ہوئے ہیں۔ میں واقف ہوں کہ کالج کے قیام سے قبل ڈاکٹر وزارت رسول خان کو تعلیمی میدان میں سرگرم عمل رہنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن وقت نے انہیں سب کچھ سکھا دیا ہے وزارت رسول خان نے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ڈاکٹری کی بجائے بزنس میں دلچسپی لینے شروع کی۔ یہ قول عظمت عبدالقیوم (جو میری منہ بولی بہن تھیں) اگرچہ ڈاکٹر صاحب کو زراعت کرنے کا شوق تھا لیکن پٹرول پمپس کے کاروبار میں انہوں نے ترقی بہت کی۔ انہیں جب سیاست سے دلچسپی ہوئی تو وہ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین سے وابستہ ہوئے اور ایک دن ایم ایل اے بن گئے اپنے ایم ایل کے دور میں مسلم اقلیتوں کے لئے خاص طور پر کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کا سب سے بڑا کارنامہ کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام میڈیکل کالج کا قیام ہے ڈاکٹر صاحب نے جب کالج کی اجازت حاصل کی تو ان دنوں جناب سلطان صلاح الدین اویسی جیل میں تھے اس وقت کے چیف منسٹر سربھاسکر راؤ اور وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ جناب سید ہاشم علی اختر کے تعاون اور ان دونوں کی شخصی دلچسپی سے میڈیکل کالج کے قیام کی اجازت مل گئی۔ لیکن کالج کے قیام کے سلسلے میں بطور ڈپازٹ بھاری رقم کا انتظام ایک اہم مسئلہ تھا غالباً اسے اسٹورڈیوپیوں کی ضرورت تھی اس وقت کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو اتنی خطرہ رقم کا

انتظام کر سکے۔ ایسے نازک حالات میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے پیروں
 پیمپس اور دیگر وسائل کے ذریعہ مختلف بنکس سے مطلوبہ رقم کا انتظام
 کیا ڈپازٹ کی رقم کے انتظام کے بعد کلج کام کرنے لگا۔ میڈیکل کلج
 کے قیام کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جملہ احاطہ دار السلام میں منتقل
 ہوا تھا اس جلسے میں ڈاکٹر وزارت رسول خان کو زبردست خراج
 پیش کیا گیا مختلف مقررین نے ڈاکٹر صاحب کی تحریف و توصیف میں
 حوصلہ افزاء تقریریں کیں۔ نامور شاعر و محترمہ عظمت عبدالقیوم (خوش
 دامن ڈاکٹر وزارت رسول خان) نے ڈاکٹر صاحب کے لئے ایک پُر اثر
 تہنیتی نظم کہی تھی وہ نظم میں نے عظمت عبدالقیوم کی خواہش پر ترغیم
 سے سنائی تھی نظم بہت اچھی تھی کافی پسند کی گئی۔ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر
 صاحب کا مجلس اتحاد المسلمین سے تعلق ختم ہو گیا ان دنوں ڈاکٹر صاحب
 بے حد افسردہ خاطر تھے ڈاکٹر صاحب اس وقت اپنے مستقبل کے دورِ راہ
 پر کھڑے ہوئے تھے انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایسے
 غیر یقینی حالات میں عظمت عبدالقیوم نے ڈاکٹر صاحب کو بہت بُرا
 سہارا دیا۔ اُن کی ہمت بندھائی اور انہیں مشورہ دیا کہ تم سیاست
 کا میدان چھوڑ کر تعلیمی میدان میں قدم رکھو۔ میں تمہاری مدد کروں گی
 تمہارا ساتھ دوں گی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور مشورہ دیا
 کہ مسلم لڑکیوں کے لئے کلج قائم کرو جس کے لئے میں اپنی عمارت جو

نرمل انڈسٹری کے نام سے مشہور ہے دے روں کی عظمت عبدالقیوم نے عمارت کے تمام کاغذات ڈاکٹر وزارت رسول خان کے حوالے کر دیے۔

بڑی مشکل سے عمارت تخلیہ کروایا گیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا ڈاکٹر صاحب نے کالج کی عمارت کا نقشہ تیار کیا اور نقشہ کے مطابق تعمیر شروع ہوئی۔ میں جب بھی ڈاکٹر صاحب سے ملا بلڈنگ کا نقشہ اور اپنے منصوبوں سے متعلق تبادلہ کرتے تھے ڈاکٹر صاحب سے میری ایک ملاقات کے موقع پر عظمت عبدالقیوم نے ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا تھا کہ تم کام شروع کر دو انہیں تھاری مدد کرے گا ہر نئے کام کے آغاز پر دشواریوں رہتی ہیں لیکن ہمیشہ نہیں رہتی۔ بیچ کا وقت تمہاریس احقر بھی میرے ساتھ تھے ہم سبوں نے مل کر بیچ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے آئندہ ہونے والی بہت سے اور منصوبوں کے بارے میں مجھے واقف کرایا۔ ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے لڑکیوں کے لئی بی ایڈ کالج کی اجازت حاصل کی۔ اساتذہ کے تقرر کے انٹرویو کے وقت میں عظمت عبدالقیوم صاحبہ کے ساتھ ان کے روم میں بیٹھا رہا اس وقت کے رجسٹرار عثمانیہ یونیورسٹی مسٹر ملاریڈی بھی انٹرویو کے موقع پر موجود تھے اساتذہ کے تقرر کے ساتھ ہی تعلیم کا آغاز ہوا۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے لڑکیوں کے لئے جوئیر کالج کی اجازت حاصل کی ترقی کی ایک اور منزل طے کرنے ہوئے لڑکیوں کے لئے ڈگری کالج

کا آغاز کیا گیا اس طرح ان برسوں میں شاید ہی کوئی ایسا تعلیمی کورس ہوگا جو شروع نہ کیا گیا ہو حال یہ عرصہ میں عصری تعلیم کی ضرورت کے پیش نظر شاداں انجینئرنگ کالج اور کچھ اور فنی ادارے قائم کئے۔ اب کمی ہے تو صرف میڈیکل کالج کی۔ جس کے لئے ڈاکٹر صاحب شبانہ روز کوشش کر رہے ہیں تو فح ہے کہ میڈیکل کالج کے قیام کی بھی اجازت مل جائے گی۔ کالج کا انتظامیہ مثالی ہے کالج تمام عصری ضروریات سے لیس ہے بہترین و تجربہ کار اساتذہ کی خدمات حاصل ہیں ڈاکٹر صاحب کی شریک حیات شاداں تہنیت کر سپانڈنٹ سکریٹری ہیں جو نہایت مددگی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہی ہیں، عیضت عبدالقیوم اس سوسائٹی کی بھی صدر نشین تھیں ان کے انتقال کے بعد غلام احمد خاں صدر بنے اور اب کریم اللہ خان صاحب اس طرح ایک سیاسی قائد اور ساجد ایم ایل اے کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہو چکا ہے شہر کی معیاری درس گاہ کی حیثیت سے ساری ریاست میں شاداں کالج اپنا منفرد مقام رکھتا ہے باقی شاداں کالج عیضت عبدالقیوم کا ایک، اہم کارنامہ محفل خواتین کا قیام بھی ہے جس کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دی جا رہی ہے یہ ایک باوقار ادارہ ہے جس کو قائم ہوئے ۳۰ برس ہو چکے ہیں اس ادارہ سے صرف خواتین اہل قلم وابستہ ہیں شریعتی روڈ امتری قیام انجن سے ہی اس کی سرپرست اعلیٰ ہیں نامور شاعرہ محترمہ

عزیز النساء صاحبہ معتمد عمومی کے فرائض انجام دے رہی ہیں اور ممتاز شاعرہ مظفر النساء ناز شریک معتمد میں عظمت عبدالقیوم نے اپنی بے حد چہیتی بیٹی شاداں تہنیت کی عمر بھر کی رفاقت کئے لئے ڈاکٹر وزارت رسول خان کا انتخاب کیا۔ جن کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار انداز سے گذر رہی ہے شاداں تہنیت سکریٹری شاداں کالج کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نہایت عمدگی سے انجام دے رہی ہیں شادی سے پہلے شاداں عظمت عبدالقیوم کے ساتھ خاص خاص مشاعروں میں شرکت کرتی تھیں خاص طور پر ادارہ ادبیات اردو، انجمن ترقی اردو کے مشاعروں میں عظمت عبدالقیوم کے ساتھ رہتیں تھیں عظمت عبدالقیوم اپنے دولت خانہ پر بھی کبھی کبھی مشاعروں کا اہتمام کرتی تھیں شاداں اپنی والدہ کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ میرزائی کے فرائض سے خوب واقف تھیں۔ عظمت آپاکی رہائش گاہ میں منعقدہ مشاعروں کے سامعین میں ان کے اقرا خانہ کے علاوہ ڈاکٹر بانو طاہرہ سعید، عزیز النساء صاحبہ، انجم قمر سوز، مظفر النساء ناز مدعور ہتے تھے شاعروں میں میرے علاوہ سجد شہیدی، کنول پیر شاد کنول، امیر احمد خسرو، خیرات ندیم اور رئیس اختر رہا کرنے تھے عظمت عبدالقیوم کا میں ایک بڑی بہن کی طرح بے حد احترام کرتا تھا شاداں کو عزیز تر رکھتا تھا عظمت آپا اپنے گھر کے مشاعروں میں اپنا کلام اکثر دفعہ امیر احمد خسرو یا مجھ سے ترنم کے ساتھ سنتواتی تھیں۔ میں

اپنی غزل بھی ترنم میں سنانا تھا عظمت عبدالقیوم کبھی کبھی مجھے اندر
منظر النساء نا آ کر کوئی پیر مدعو کیا کرتی تھیں خاص طور پر ان دنوں جب
محفل خوانین کی سالانہ تقاریب کی سرگرمیاں جاری رہتیں اور محفل
خوانین کے ادبی مسودہ کی ترتیب و ترتین کے لئے مشاورت درکار
ہوتی۔ شاداں چھوٹی بہن کی طرح میری پذیرائی کرتی تھی شاداں کو
میرا ترنم بہت پسند تھا عظمت عبدالقیوم کہتی تھیں کہ ہماری بیٹی کو
ہمارا کلام تو پسند آتا ہی نہیں بس قیر بھائی کے کلام کی ہی تحریف کرتی
رہتی ہے شاداں مجھ سے کہتی قیر بھائی آپ کا ترنم بہت اچھا ہے جب
کبھی آپ اپنی غزل سناتے ہیں تو مجھے اچھا لگتا ہے بہت متاثر ہوتی
ہوں اس طرح ایک بہن اپنے بھائی کو خراج پیش کرتی تھی۔ کانچ کے
معاملات میں کسی بھی قسم کی سفارش کی بات نہ ہوتی شاداں میری سفارش
کو اہمیت دیتی ہیں بھائی بہن کا اٹوٹ رشتہ پوئے وقار کے ساتھ
آج بھی برقرار ہے عظمت عبدالقیوم کے انتقال کے بعد ان کی دوسری کتاب
عظمت خیاباں کی اشاعت کے وقت شاداں نے مرحومہ کی تحریروں کا
ایک ایک ورق میرے حوالے کیا تھا عظمت عبدالقیوم کا انتقال ۱۲ مئی
۱۹۸۸ء کو ہوا۔ گذشتہ گیارہ سال سے ان کی یاد میں سالانہ ادبی تقریب
ڈاکٹر وزارت رسول خان کی رہائش گاہ شاہ منزل واقع ہمایوں ٹکڑ
میں ہوا کرتی ہے پہلے کالج کے اسٹوڈنٹس میں ہوتی تھیں جس میں شہر کی

منتخب شخصین کو مدعو کیا جاتا ہے ادارہ میرا شہر میرے لوگ کی جانب سے تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے رئیس خزانہ اعلیٰ اجلاس اور مومن خان شوق معتمد مشعرہ رہتے ہیں ادارہ سے وابستہ شعراء و کلام سناتے ہیں ڈاکٹر وزارت رسول خان عظمت عبد القیوم کے احسان مند ہیں اپنی تقریر کے دوران کھل کر عظمت عبد القیوم کو خراج پیش کرتے ہیں اس موقع پر ڈاکٹر صاحب انتہائی جذباتی انداز میں مخاطب کرتے عظمت عبد القیوم کو ماما کہہ کر مخاطب کرتے ہیں یہ بھی کہتے ہیں کہ میری والدہ اور میری خوش دامن (عظمت عبد القیوم) بہت اچھی دوست تھیں عظمت عبد القیوم کے تقویر محترم عبد القیوم کی شخصیت بھی قابل احترام تھی وہ ڈاکٹر صاحب کو بہت چاہتے اور شاداں کے لئے توان کی محبت کا کیا کہتا۔ ڈاکٹر صاحب شروع شروع میں تقریر سے گریز کرتے تھے ان کی اردو اتنی اچھی نہیں تھی عظمت عبد القیوم ہمیشہ ان کا حوصلہ بڑھاتیں کہ تم جب سیاست میں داخل ہو چکے ہو تو تمہیں اپنا مافی الضمیر ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے ٹوٹی پھوٹی اردو میں ہی کہی اپنے حالات کا اظہار کرو۔ آج ڈاکٹر صاحب کی تقریر سننے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شعلہ بیان مقرر ہیں۔ سیاسی موضوع ہو کہ تعلیمی موضوع لے تکان بولتے ہیں کالج کے قیام اور دیگر مسائل کے سلسلے میں شخصی طور پر دلچسپی لے کر کارروائی کی یکسوئی کراتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا ہر عمل شائستگی کا مظہر ہوتا

یہ وہ انتہائی محض، باہمت اور باکرداران ہیں کالج کے مختلف مسائل
 پیرا نہیں حکومت کے بڑے بڑے عہدہ داروں کے علاوہ مختلف وزراء
 سے بھی اپنی بات منوانے کا سلیقہ ہے ان کا حوصلہ ہی تو ہے جو ان کی
 لیے بابائیں کامیابی کا ضامن ہے وہ حکومت کے سربراہوں سے اس بات
 پر لڑتے رہے ہیں کہ دستور میں جو اقلیتوں کو مراعات دی گئی ہیں اُس
 حق سے ہمیں استفادہ کا پورا پورا موقع ملنا چاہیے آج شاداں کالج
 ریاست کے تمام اقلیتی تعلیمی اداروں میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتا ہے
 حیار اور نسیان کے اعتبار سے بھی۔

جب میں یہ مضمون ختم کر رہا ہوں تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میرے
 بالکل سننے عظمت آپا بیٹھی ہوئی ہیں دائیں اور بائیں ڈاکٹر صاحب اور
 شاداں بیٹھے ہوئے ہیں اور میں اپنے آپ پر فخر محسوس کر رہا ہوں کہ
 خدانے مجھے کیسی کیسی باصلاحیت شخصیتوں کے درمیان اپنی پہچان کو باقی
 رکھنے کا موقع عطا فرمایا۔ میں عظمت آپا کی شفقتوں اور ان کی محبتوں
 کو کبھی بھلا نہیں سکتا۔ میری نظر میں وہ شہر کی اعلیٰ ترین مرتبہ کی عامل ہند
 خاتون تھیں ہم دونوں بھائی بہن کا رشتہ ان کا جیات تک یعنی ۲۰
 برس تک نہایت خوشگوار انداز میں باقی رہا۔ ڈاکٹر صاحب سے میرے
 گہرے مراسم ہیں وہ انتہائی خلوص کے ساتھ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنے
 کا بھرپور احساس دلاتے ہیں اب رہی شاداں کی بارش تو اس کا

شمار تو ان شگفتہ، نکھری سنخری دل میں گھر کرتے : والی بہن کی طرح ہے جو
 ہمیشہ اپنی شرافت و محبت اور اپنے لیے پایاں خلوص سے ہمارے رشتہ
 کو فہماتی رہتی ہے خدا سے میری یہی دعا ہے کہ ڈاکٹر وزارت رسولی خان
 اور شاداں بھی ان شخصیتوں کی طرح تاحیات چمکتے رہیں جن کی زندگی
 کا ایک ایک لمحہ اپنے چلنے اور چاہے جانے والوں کے لئے ایک ایسی
 سونمات بنے جس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہے

شریٹی روڈامستری

(حیدر آبادی تہذیب کی نمائندہ باوقار خاتون)

حیدر آباد کی مردم خیز سرزمین کا دامن ہر دور میں مختلف النوع ں
 پھولوں سے نہکتا رہا ہے دل و دماغ کو معطر کرنے والی ہر قسم کی فضاؤ
 سے بالامال رہا ہے۔ حالات کبھی ایک طرح کے نہیں رہتے، بدلنے رہتے
 ہیں منت نئے موسم اپنے خدو خال کے ساتھ اپنا منصب ادا کرتے رہتے۔
 اپنے فرائض کی تکمیل کرتے رہے لیکن خوشگوار اور ذہن و فکر کو روشنی
 عطا کرنے والا ماحول ایک روشن بیکر کی طرح آج بھی برقرار ہے۔ اگرچہ
 کل کی طرح آج بھی ہمارا معاشرہ مختلف مسائل میں گھرا ہوا ہے کبھی
 مشکل اور آسان لمحوں کے امتزاج سے بھی کئی بند دروازے کھل چکے ہیں
 اندھیرے اُجالوں میں بدل گئے ہیں الجھن پیدا کرنے والی کشمکش اور
 غیر متوقع حالات کا سیلاب آتا رہا۔ جاتا رہا۔ پھر بھی یہاں کے شب
 روز ہر قسم کی گرمی و سردی، شرمی و سختی کو برداشت کرتے رہے۔ ہر
 ایک قدم پر پہونی اور اُن پہونی سیفیاست سے گزرنے رہے لیکن
 استقلال کا دامن کبھی نہیں چھوٹا۔ ہر زمانہ امتحانی زمانہ رہتا ہے۔ ہر

دور میں کامیابی و ناکامیابی کے راستوں سے انسان گذرنا رہتا ہے،
 حوصلہ و پامردی، ہمت و جبرائیت اور عزم محکم، انسان کی شخصیت
 کی نشوونما میں نمایاں رول ادا کرتے رہے ہیں۔ معاشرہ کے لوگ
 بہن کی ساری زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف ہو چکی ہے کم کم دکھائی
 دیتے ہیں۔ لیکن حیدر آباد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں ایسی ناقابل
 فراموش شخصیتیں رہی ہیں (اب بھی ہیں) جن پر ہمیشہ فخر محسوس
 کیا جاتا رہے گا زندگی میں پیشی آنے والے بڑے بڑے اور ناقابل
 فراموش کارناموں کو سر کرنے میں صرف مردوں ہی نے حصہ نہیں لیا
 بلکہ یہاں بعض ایسی خواتین بھی رہی ہیں جنہیں ہمیشہ یاد کیا جائے گا
 ان تمام خصوصیات کی حامل ہمارے شہرِ رواداری میں ایک ایسی شخصیت
 بھی ہے جو ہمارے معاشرہ میں صفِ اول کی خاتون سمجھی جاتی ہیں
 اور وہ شریتمتی روڈ امستری ہیں شریتمتی روڈ امستری کی سیاسی سماجی
 فلاحی، تہذیبی و اصلاحی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے جو گزشتہ
 ۵۰ برسوں پر محیط ہے۔

شریتمتی روڈ امستری پارسی مذہب کی ایک نمائندہ خاتون ہونے
 کے علاوہ ہمارے معاشرہ کی صاحبِ حیثیت، بلند مرتبت، اعلیٰ قدر
 قیمت کی حامل مذہب خاتون ہیں۔ شریتمتی روڈ امستری نے ملکی سیاست
 میں بھی بڑا نام کمایا ہے کانگریس پارٹی سے وابستہ ہیں۔ ریاستی وزیر
 ہونے کے علاوہ رکن پارلیمنٹ رہ چکی ہیں۔ اپنی سیاسی زندگی میں حکومت

کی مختلف کمیٹیوں میں شامل رہتے ہوئے عوام کی غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ ان کا ایک اہم کارنامہ انڈین کونسل آف سوشل ورک ہے جس کی وہ صدر ہیں اس کے علاوہ مشیورام پٹی میں واقع آرام گھر جو پچھلے نواب بھدی نواز جنگ کے زمانے میں سینٹ المعذورین کے نام سے کام کرتا تھا آج شریعتی روڈ امستری کی نگرانی اور سرپرستی میں روز افزوں ترقی کرتا جا رہا ہے ان کی ذاتی کوششوں سے ۱۹۶۶ء میں قائم کردہ کالج آف سوشل ورک ترقی کرتے کرتے آج ایک لیس چ سنٹر بن چکا ہے۔ سال گذشتہ حکومت آندھرا پردیش اور عثمانیہ یونیورسٹی نے کالج کو روڈ امستری کالج آف سوشل ورک لیس چ سنٹر کے نام سے موسوم کرنے کی تجویز قبول کر لی ہے یہ ایک طرح کی ان کی خدمات کا بہت بڑا اعتراف ہے اس سلسلہ میں بڑے پیمانہ پر جو ملی مال میں ایک نہایتی تقریب منعقد ہوئی تھی جس میں گورنر آندھرا پردیش اور ان کی اہلیہ نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ ممتاز دانشور جناب ہاشم حسن سعید (سابق پرنسپل کالج آف لنگویجس) نہایتی تقریب کے کنوینیر تھے۔

شریعتی روڈ امستری کا ایک اور اہم کارنامہ محفل خواتین سے ان کی وابستگی ہے محفل خواتین کے قیام ۱۹۶۷ء سے ہی وہ اس کی سرپرست اعلیٰ ہیں جن کے احسانات کی ایک طویل داستان ہے۔ محفل خواتین کے استحکام میں بانی محفل خواتین محترمہ عظمت عبدالقیوم اور دیگر خاتون شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ ساتھ شریعتی روڈ امستری نے بھی نمایاں خدمات

انجام دی ہیں۔ روڈا منتری کی سرپرستی۔ آج بھی باقی ہے محفل خواتین کے مشیر کی حیثیت سے یہ بات میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ شرمیتی روڈا منتری نے محفل خواتین کا قدم قدم پر ساتھ دیا۔ ان کی مہربانی سے گذشتہ ۲۹ برس سے محفل خواتین کے ماہانہ جلسے لاء۔ ا۔سی۔س کے ٹینک ہال میں منعقد ہو رہے ہیں جہاں بغیر کسی کرایہ کے دیا جانا ہے محفل خواتین کی آمدنی و خرچ کے تمام حسابات شرمیتی روڈا منتری کی زیر نگرانی طے پاتے ہیں۔ نہایت ہی پاک صاف ماحول میں محفل خواتین کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ شرمیتی روڈا منتری نہ تو اردو کی شاعرہ ہیں اور نہ ہی ادیبہ، لیکن انہیں اردو زبان اور اردو تہذیب کی محبت نے کچھ اس طرح باندھ رکھا ہے کہ وہ بندھے رہنے میں فرحت محسوس کرتی ہیں ان کی نگرانی میں منعقدہ محفل خواتین کی بعض سالانہ تقاریب ستاویزی حیثیت کی حامل ہیں شرمیتی روڈا منتری کو انسانی رشتوں اور تہذیبی اقدار سے غیر معمولی وابستگی ہے نواب مہدی نواز جنگ کا وہ بے حد احترام کرتی رہیں۔ نواب صاحب کی سرپرستی میں روڈا منتری صاحبہ نے اپنے فلاحی کاموں کا سفر جاری رکھا۔ نواب صاحب ان کے آئیڈیل رہے ہیں نواب صاحب کی انسانی و فلاحی خدمات نے انہیں بے حد متاثر کیا ہے لاء۔ ا۔سی۔س آئندہ اپریش نواب صاحب کی کوششوں کی مرہون مست ہے نواب صاحب انڈین کونسل آف سوشل ورک کے بانیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے اس اہم کام کی ذمہ داری پورے اعتماد کے ساتھ شرمیتی روڈا منتری کو سونپی۔ وہ آج

پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

محفل خوانین سے میری وابستگی کے سبب شریعتی روڈ امسٹری سے
 مجھے اکثر و بیشتر اوقات میں ملاقات کا موقع ملتا رہا ہے۔ محفل خوانین
 کی ہر تقریب میں شریعتی روڈ امسٹری کی مشاورت کو دخل رہتا ہے
 محفل خوانین حیدرآباد کی شاعرات اور ادیبوں کی ایک ایسی انجمن ہے
 جس کی مثال ہندوستان کی کسی ریاست میں نہیں ملتی۔ یہ اعزاز صرف
 اور صرف حیدرآباد کو حاصل ہے انجمن کی ماہانہ محفلوں میں صرف مدعو خوانین
 ہی شرکت کرتی ہیں البتہ سالانہ تہذیبی پروگرام طے جلتے ہو کرتے ہیں
 روڈ امسٹری حیدرآباد کی ایک ایسی مہذب خاتون ہیں جن کا ہر سوسائٹی
 میں پُر نپاک خیر مقدم کیا جاتا ہے پُر وقار خاتون کی حیثیت سے اعلیٰ سوسائٹی
 میں ان کا ایک اہم مقام ہے اردو زبان اور اردو تہذیب سے انہیں بے
 وابستگی ہے وہ اردو زبان میں بات کرتی ہیں البتہ بمعنی سرکاری وغیر
 سرکاری محفلوں میں ان کو انگریزی میں تقریر کرنی پڑتی ہے شریعتی روڈ
 امسٹری کالج و لہجہ شائستہ اور دل و دماغ کو ہکاسنے والا ہوتا ہے حیدرآباد
 کی گنگا جمنی تہذیب کی بھرپور نمائندگی کرتی ہیں تمام مذاہب کا احترام کرتی ہیں
 میرا مشاہدہ ہے کہ اگر کسی میٹنگ کے وقت اذان کی آواز سنائی دیتی ہے
 تو آپسے سر پر اٹھی کاپلو ڈال لیتی ہیں۔ پابندی کے ساتھ حضرت خواجہ
 معین الدین چشتی (اجمیر شریف) کی سالانہ عرس شریف تقاریب کے موقع
 پر نذر روانہ کرتی ہیں۔ ہر سال نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ گیارہویں

شریف کا اہتمام کرتی ہیں۔ مذہب اسلام کی خوبیوں کو اپنے دل و
 دماغ میں جذب کر چکی ہیں بے حد متحرک، فعال شخصیت کا نام
 شریعتی روڈ امسٹری ہے۔ معاشرہ کا سہرہ شخص جو مذہب سوسائٹی
 کو دل و جان سے چاہتا ہے وہ شریعتی روڈ امسٹری کی اعلیٰ قدر خدمات
 کو خرفہ ہے جہاں انہوں نے ایک وزیر اور رکن پارلیمنٹ کی حیثیت
 سے بے مثال خدمات انجام دیں وہیں عوامی و فلاحی خدمات کے لئے بھی
 اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے روڈ امسٹری ایک ایسا روشن نام ہے
 جس کی جگہ جہد آباد کی خاص طور پر نہایت ہی وثافتی تاریخ میں باقی ہے
 کہ اچھے بُرے موسم آتے جاتے رہیں گے لیکن ایسے لوگ جو اپنی
 خدمات کی وجہ سے تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں وہ ہمیشہ یاد رکھے
 جائیں گے ان کا شمار بھی ایسی ہی نامور شخصیتوں میں ہوتا ہے شریعتی
 روڈ امسٹری شہر کی نمائندہ خاتون ہیں اس لئے سوسائٹی کی ہر اہم شخصیت
 ان کے کارناموں سے واقف ہے عوام بھی انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھتے
 ہیں۔ روڈ امسٹری کو جہد آباد ہمیشہ یاد رکھے گا ان کا انداز گفتگو نہایت
 سستہ و شگفتہ ہوتا ہے بھاری آواز میں گفتگو کرتی ہیں لیکن ان کے
 لب و لہجہ میں نہایت ہوشیاری کی خوشبو رہتی ہے وہ اپنی ذات اور اپنی
 خدمات کی وجہ سے ہمیشہ خوشگوار ماحول کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ
 ان کی بقیۂ زندگی کا مقصد صرف اور صرف خدمتِ خلق ہے اور کچھ
 نہیں۔

ڈاکٹر موہن لعل نکم

(سلاار جنگ میوزیم کے نرٹین کار۔ شاعر و ادیب)

ہمارے معاشرہ میں بہت سے ایسے لوگ بھی ملیں گے جو اپنے حقیقی وطن کی طرح ہی اپنے وطنِ ثانی سے بھی محبت رکھتے ہیں۔ گنگا جمنی تہذیب کا مثالی شہر حیدرآباد اس طرح کے واقعات کی جیتی جاگتی مثال ہے بے شمار ایسی شخصیتیں جن کا تعلق ملک کی دیگر ریاستوں سے ہے جب وہ بسملہ تلاش معاش حیدرآباد آتی ہیں تو یہیں کی ہو کر رہ جاتی ہیں حقیقتاً تو یہ ہے کہ اس وقت بھی پھیلے وقتوں کی طرح، حیدرآباد، ملک کی تمام ریاستوں کے مقابلے میں پیر سکون، محبت نواز اور امن پسند شہر ہے۔ — میں بعض ایسے اعلیٰ عہدہ داران سکریٹریٹ آئی اے ایس کو بھی جانتا ہوں جن کا تعلق اُتر پردیش، بہار اور ملک کے مختلف صوبوں سے ہے اور جنہوں نے حیدرآباد کو اپنا وطنِ ثانی بنا لیا ہے۔ حیدرآباد کو وطنِ ثانی بنانا جہاں اُن کی ضرورت ہے وہیں

ان کی دلی خواہش بھی رہی۔ انہیں یہاں کا موسم، یہاں کے لوگ،
 یہاں کی آب و ہوا کچھ اتنی پسند رہی کہ وہ اسی سرزمین سے وابستہ
 ہو گئے ہیں اور کچھ اس انداز سے رہتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ
 یہ کسی اور ریاست کے رہنے والے ہیں۔ ایسی ہی شخصیتوں میں
 اردو، ہندی کے نامور شاعر، گنگا جمنی تھنڈیپ کے علمبردار اور
 بے تعصب شہری ڈاکٹر موہن لعل شکم ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یہاں کے
 لوگوں میں، یہاں کی سوسائٹی میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ وہ
 خالص حیدرآبادی معلوم ہوتے ہیں۔ حیدرآباد میں یہ سلسلہ ملازمت
 سالار جنگ میوزیم سے وابستہ ہو گئے۔ اور ڈاکٹر کٹر کی حیثیت سے ریٹائر
 ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی ان کی زندگی علمی و ادبی کاموں میں مصروف
 رہی۔ ڈاکٹر صاحب نے ہندی پلٹن میں مکان بنالیا ہے آرام و سکون
 کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ حیدرآباد میں ہر
 وہ شخص جس کا تعلق بیرون حیدرآباد سے ہے اگر اس کے مراسم عابد
 علی خان صاحب اور اخبار سیاست سے رہے ہوں تو اس کا یہاں کے
 صنف اول کے شہریوں میں شمار ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کے عابد علی خان
 صاحب سے دوستانہ مراسم تھے عابد علی خان صاحب اور موہن لعل شکم
 نے بعض علمی و ادبی، فلاحی و تہذیبی اداروں میں ایک ساتھ کام کیا ہے
 ڈاکٹر شکم کا تعلق ادارۂ ادبیات اردو سے بھی ہے جہاں کی علمی و
 ادبی مصروفیات میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب جن کو لکندہ

سوسائٹی کے بانی جنرل سکریٹری ہیں یہ اور بات ہے کہ ادھر کچھ عرصہ سے
 جشن گو لکندہ سوسائٹی کی سرگرمیاں مآندہ پڑ گئی ہیں۔ اس سوسائٹی میں
 شہر کی نمائندہ شخصیتیں نواب شاہ عالم خان صاحب، عابد علی خان صاحب
 امجد علی خان صاحب، ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، پروفیسر نو نیت راؤ، غلام محمد
 معظم حسین، سید نواب الحسن، بلقیس علما الدین وغیرہ شامل ہیں۔
 جشن گو لکندہ سوسائٹی کے صدر نواب شاہ عالم خان صاحب ہیں کار گزار
 صدر عابد علی خان صاحب تھے۔ میں شریکِ معتمد ہوں۔ اس سوسائٹی
 کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر نگم کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے ۸ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو
 قلی قطب شاہ اسٹیڈیم میں عظیم الشان پیمانے پر کل ہند مشاعرہ ہوا۔
 جس میں ملک بھر کے ۸۰۰ نامور شاعروں کو مدعو کیا گیا تھا جن میں قابل
 ذکر یہ شعراء ہیں ڈاکٹر گوپال داس نیرج، بیکل اتساہی، پروفیسر آزاد گلانی
 ڈاکٹر احسن رضوی وغیرہ۔ مشاعرہ کے علاوہ جنوری ۱۹۹۰ء میں روپنہ را
 بھارتی نقیٹر میں سوسائٹی کی جانب سے شبِ غزل کا اہتمام کیا گیا تھا یہ
 پروگرام بھی شاندار رہا۔ شبِ غزل کی صدارت نواب شاہ عالم خان صاحب
 نے کی تھی ان دونوں پروگراموں کو آئی۔ ٹی۔ آئی نے اسپانسر کیا تھا۔ یہ
 ڈاکٹر نگم کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن ان دنوں سوسائٹی پر نحوشتی طاری ہے
 ہے جسے متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک ملاقات میں کہا
 تھا کہ گو لکندہ سوسائٹی کی سرگرمیوں کا بہت جلد احیاء کیا جائے گا تنظیم جدید
 کے بعد ہی سوسائٹی سرگرم عمل ہو جائے گی۔ ڈاکٹر نگم اردو/ہندی کے

ستارہ شاعر ہیں ادبی ٹرسٹ اور شنکرجی کل ہند شاعروں میں کلام سناچکے ہیں تخت اللفظ میں کلام مٹاتے ہیں ڈاکٹر صاحب کی شاعری پُر اثر ہوتی ہے ان کی شاعری دل و دماغ کو معطر کرنے والی شاعری ہے۔ رومانی خیالات کے ساتھ ساتھ سماجی مسائل میں گھرے ہوئے حالات کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دیتے ہیں۔ ان دو بڑے شاعروں کے علاوہ شہر میں وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والے اردو ہندی شاعروں میں مدعو رہتے ہیں سالار جنگ میوزیم میں سالار جنگ اول کی سالانہ تقاریب کے سلسلے میں لازماً اردو ہندی ننگوٹلا ملا جلا شاعرہ منعقد کرتے تھے۔ میوزیم میں میوزیا لوجی اور علمی و ادبی موضوعات پر لے شمار انٹرنیشنل سیمینار / سیمپوزیم منعقد کر چکے ہیں لیکن اس روایت کو آگے بڑھانے میں سالار جنگ میوزیم کے موجودہ انتظامیہ کو کچھ اور دلچسپی لینے کی ضرورت ہے ڈاکٹر صاحب نے اپنی ملازمت کے دوران سالار جنگ میوزیم کی توسیع عمارت کا آغا نہ کیا تھا کئی عمارتیں بن چکی ہیں جن میں میوزیم کام کر رہا ہے ڈاکٹر صاحب سے ملنے اور سالار جنگ میوزیم دیکھنے کے لئے جب کبھی بیرون ریاست و بیرون ملک کے شاعر و ادباء آتے تو ان کی خاطر خواہ پذیرائی کی جاتی تھی۔ ان کے ساتھ ہی آئی پی جیسا سلوک کیا جاتا تھا ایسے مواقع پر کبھی کبھی محفل شعر بھی منعقد کی جاتی تھی ایسے اکثر مواقع پر ڈاکٹر صاحب مجھے مدعو کیا کرتے تھے ڈاکٹر صاحب جب اپنے منصب نظامت پر فائز تھے تو میں کبھی کبھی ملاقات کے سالار جنگ میوزیم جایا کرتا تھا۔ یا کبھی کوئی تازہ کلام کہتے تو وہ مجھے

یاد کرتے تھے غزلیں سناتے اور ضرورت محسوس ہوتی تو مشورہ سخن
 کرتے تھے غزلیں سناتے کا ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اپنا تازہ
 کلام سننا کر مطمئن ہونا چاہتے تھے کہ کہیں کوئی فنی غلطی تو نہیں رہ گئی۔
 بعض غزلوں کے کچھ مصرعے نصیح طلب ہوتے تو اسی وقت کلام کی نصیح
 ہوجاتی تھی۔ ڈاکٹر نکم صاحب سے میرے مراسم دوستی میں بدل گئے۔ اب
 بھی ہماری دوستی برقرار ہے جب وہ ڈاکٹر سلالہ جنگ میوزیم تھے تو
 بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ اخبار سیاست کے دفتر کو اگر کوئی بڑی علمی و
 ادبی شخصیت آجاتی اور وہ سالار جنگ میوزیم دیکھنے کی خواہش کرتی
 تو عابد علی خان صاحب یا جگر صاحب ڈاکٹر صاحب کو فون کرتے یا مجھے
 فون کرنے کے لئے کہتے۔ اور ان کے ساتھ وہی آئی بی جیبا سلوک کیا جاتا۔
 ڈاکٹر صاحب کو عابد علی خان صاحب نے اپنی بہت سی مخصوص دعوتوں
 میں مدعو کیا ہے عابد علی خان صاحب کی یہ ایک روایت رہی ہے کہ اگر کوئی
 اہم شخصیت چاہے وہ سیاسی ہو کہ غیر سیاسی یا شاعر و ادیب ہوں انہیں
 اپنے مراسم کی بنیاد پر عشاء پر مدعو کرتے تھے ڈاکٹر صاحب ایسی محفل اور
 عشاء میں شریک رہتے تھے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ نہیال سنگھ ورما
 کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ادبی محفلوں میں بھی ضرور شرکت کرتے
 تھے خاص طور پر گیت چاندنی اور مہندی بیکھک سنگھ کی محفلوں میں۔
 ڈاکٹر صاحب کی دوستی ہر ایک کے لئے قابل قدر ہوتی ہے۔ ان کی زندگی
 میں کسی بھی قسم کا بھید بھاؤ نہیں ہے صاف دل صاف طبیعت، شائستہ

اور ہندوستان میں راج بھون کی محفلوں میں خاص طور پر مدعو رہا کرتے
 ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میوزیا لوجی کے موضوع پر کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔
 میوزیا لوجی سے متعلق ملک بھر کے سیناریوں میں حصہ لینے کے علاوہ
 ہندوستان کی قدیم تہذیب خاص طور پر حیدرآباد کی تہذیب پر مشتمل
 مذاکروں میں شریک رہتے ہیں نگم صاحب بڑے دیدلے کے ساتھ
 سالہ جنگ میوزیم کی نظامت پر فائز رہے اور وہ مستقل مزاجی کے ساتھ
 اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔ سالہ جنگ میوزیم کے اسٹاف میں
 ڈاکٹر رحمت علی انچ پیج دستوں میں شمار کیے جاتے ہیں ڈاکٹر صاحب
 نے اردو کی باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن اردو زبان اور اردو تہذیب
 سے بے حد وابستگی ہے بہت ہی متاثر کن لب و لہجہ میں گفتگو کرتے ہیں
 لگتا ہے کہ انصافیت کا دریاء بہہ رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا انداز گفتگو
 نہایت شائستہ اور پُرکشش ہوتا ہے۔ ان کی حلقہٴ احباب بہت وسیع ہے
 ڈاکٹر صاحب سالہ جنگ میوزیم کی حیثیت سے ان کی غیر معمولی مصروفیات رہیں۔
 بے شک ان کام کرنے والی شخصیت سمجھے جاتے رہے سالہ جنگ میوزیم بلڈنگ
 کے احاطہ میں واقع قیامگاہ میں کبھی کبھی مشاعرے منعقد کرنے تھے ڈاکٹر صاحب
 حیدرآباد کی اعلیٰ روایات کو اپنی زندگی میں جذب کر چکے ہیں۔
 ڈاکٹر نگم جیسا روادار، نفیس اور ہندو شخصیتوں سے ہمارے شہر کی
 اعلیٰ روایات کو تقویت پہنچ رہی ہے خدا کرے کہ نگم صاحب جیسے لوگ ہمارے
 شہر کی آبرو بڑھاتے رہیں۔

تجمل حسین

(تہذیبی سفیر - وضع دار شخصیت)

شہر شرافت نواز، حیدر آباد فرخندہ بنیاد، چاہے اور چاہے جانے والے لوگوں کی پیرکشش و معطر سرزمین، نہ صرف ادبی و علمی سیاسی و ثقافتی سرگرمیوں کے لئے مشہور ہے بلکہ تہذیبی و لغوی سرگرمیوں کے لئے بھی ہمیشہ سازگار رہی ہے جہاں روایات ماضی کے امین سربراہان ریاست نے علوم و فنون کی سرپرستی کی ہے، وہیں صاحبانِ فکر و نظر نے بھی حوصلہ افزائی کی ہے۔ زمرہ خواص کی طرح زمرہ عوام سے تعلق رکھنے والے بے شمار اصحاب نے بھی فنونِ لطیفہ کے مختلف گوشوں کی سُرخروی کے لئے اپنا داد و دہش، اپنے علم اور اپنی شخصی دلچسپی سے روشنی عطا کی ہے اس طرح کے ماحول کی سرپرستی کرتے والوں میں تہذیبی سفیر تجمل حسین کی شخصیت کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے فنکاروں، گلوکاروں، می

تہذیبی، تفریحی و موسیقی کے پروگرامس کو جاری رکھنے اُن کو بڑھاوا دینے اور ان کی بہتری اور بقا کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے جناب تجل حسین نے جن اداروں، انجمنوں اور شخصیتوں کی سرپرستی کی، جن کی دامے، درمے، سخنے مدد کی آج وہ بودے تنہا اور درخت بن گئے ہیں۔ تجل صاحب۔ ہر اُس شخص کی اور ہر اُس انجمن کے ذمہ داران کا جو محفل موسیقی، اور مزاحیہ پروگرامس کی ترتیب و نمائش سرپرسی رکھتے ہیں، مدد کرتے رہے ہیں اور اس طرح کا فیض رواں آج بھی جاری ہے تہذیبی سفیر کی سرپرستی میں یہ شمار پروگرامس ہو چکے ہیں۔ سیاسی و غیر سیاسی، فلمی و غیر فلمی شخصیتوں کے علاوہ نمائندے، شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کی محفلوں میں بھی اپنی شرکت سے اپنے وجود کا بھرپور احساس دلایا ہے ان کی سرپرستی میں ہونے والے پروگرامس میں دلپکار صاحب بھی بلند مرتبت فلمی شخصیت نے بھی شرکت کی ہے حیدر آباد میں جتنے بھی تہذیبی پروگرامس ہوتے ہیں سربراہ محفل کی حیثیت سے اکثر محفلوں میں انہیں مدعو کیا جاتا ہے تجل حسین صاحب انتہائی ہندب، وضع دار، مہر و قرار، معتبر اور محبت نواز شخصیت کے حامل ہیں۔ خاص طور پر ہر وہ شخص جو شعری، ادبی و تہذیبی سرگرمیوں سے دلچسپی رکھتا ہے۔ تجل حسین صاحب سے یقیناً واقف ہو گا۔ ہر کس و نا کس سے تعلقات رکھتا انہیں پسند نہیں۔ شہر کے صف اول

کی نمائندہ شخصیتوں سے اُن کی رسم و رواج ہے چاہے وہ حکومت کے سربراہ ہوں، کشمیر کے جہتاز اور اوپنٹی سطح کے شہری ہوں۔ ان کے روابط ہیں۔ کوئی بھی دیانت دار شخص اس بات کا اعتراف ضرور کرے گا کہ حیدرآباد میں بلا وقفہ گذشتہ ۵۰، ۶۰ برس سے جس طرح تہذیبی پروگرامس کی سرپرستی کی جا رہی ہے اُن میں سر فہرست نجل حسین صاحب کا نام بھی ہے اور یہ نام ہزاروں اردو جاننے والوں اور اردو تہذیب سے رشتہ رکھنے والوں کی زبان پر چڑھا ہوا ہے چاہے وہ خواص کا حلقہ ہو کہ عوام کا جتنی شہرت اُن کو ملی ہے وہ قابل رشک ہے نجل حسین صاحب سے گفتگو کرنا، پروگرام کے خد و خال کے بارے میں اظہار خیال کرنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ ان کی گفتگو کا انداز، مقابل کی ذہنی سطح، تہذیبی و علمی صلاحیت کے پیش نظر کھل کر عیاں ہوتا ہے خاص طور پر شعروں، ادیبوں سے گفتگو کرتے ہیں تو بے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے منہ سے بھول جھڑپے ہیں۔ فلم کاروں سے نہایت ہی سلیبی ہوئی گفتگو کرتے ہیں۔ ان کا لب و لہجہ، ایمان، ادیبانہ اور مدبرانہ ہوتا ہے ان کی گفتگو میں کوئی ایک جملہ بھی بھرتی کا نہیں ہوتا۔ طرزِ مخاطب مقابل کو بے حد متاثر کرتا ہے بعض جملے اس قدر مرصع و منجج ہوتے ہیں کہ وہ کسی یونیورسٹی کے پروفیسر اور اہم شاعروں، ادیبوں کی گفتگو سے بھی آگے نکل جاتے ہیں نجل حسین صاحب کو شعروں و شاعری سے بے حد

دلچسپی ہے معاشرہ کے نشیب و فراز اور اس پاس کے ماحول نے انہیں
 بہت زیادہ حماس اور باخبر بنا دیا ہے ان کے اندازِ گفتگو میں
 ایک انفرادیت ہے اسی طرح ان کے رہن سہن، ان کی نشست و
 برخاست اور خاص طور پر ان کی تہذیبی روایات و انسانی رشتوں
 سے ان کی گہری وابستگی مثالی ہے۔ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں
 اگرچہ نجل حسین صاحب محکمہ انکم ٹیکس کے اعلیٰ عہدہ دار رہ چکے ہیں
 لیکن ان کی ساری مدت ملازمت دیانت داری اور نیک نامی کا
 سرچشمہ رہی ہے۔ انہوں نے اپنے عہدہ کا فرض شناسی کے ساتھ
 حق ادا کیا ہے انہوں نے جہاں دیانت دار لوگوں کی فراخ دلی کے ساتھ
 مدد کی ہے وہیں بددیانت لوگوں کی قانون کے مطابق سرزنش بھی کی
 ہے دورانِ ملازمت انہیں بے شمار واقعات سے سابقہ پڑا ہے
 لیکن انکم ٹیکس جیسے محکمہ میں رہ کر بھی ان کا دامن پاک و صاف رہا
 نجل حسین صاحب کے مخصوص رکھ رکھاؤ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو
 جاتی ہے کہ وہ انتہائی مغرورانہ ہیں لیکن ایسا نہیں ہے دراصل
 فطرتاً وہ محتاط ہیں دانشوروں، ادیبوں، شاعروں، صحافیوں
 اور فن کاروں سے نہایت خلوص کے ساتھ ملاقات کرتے ہیں ہر
 شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے ذمہ داران سے ان کی صاحب
 سلامت ہے لیکن ان کی فہرست میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن سے
 وہ دل و جان سے اپنے تعلقات کو برقرار رکھے ہوئے ہیں

مجھے یہ مسرت حاصل ہے کہ میں نے نجل حسین صاحب کی سرپرستی میں
 مسخوذ ہونے والی کئی تہذیبی تقاریر میں شرکت کی ہے نجل حسین
 صاحب سے میرے گہرے مراسم ہیں وہ مجھے بے حد پسند کرتے ہیں
 عزیز رکھتے ہیں اور وہ میری شاعری کے بھی دلدادہ ہیں۔ نجل حسین صاحب
 کو شعری ادب سے خاص دلچسپی ہے انہیں اساتذہ سخن کے علاوہ
 دورِ حاضر کے بیشتر شاعروں کے اشعار یاد ہیں۔ جب کبھی ان سے
 ملاقات ہوتی ہے تو وہ لازماً میرے شعر سے گفتگو کا آغاز کرتے
 ہیں۔

ہم تو صحرا نصیب ہی ٹھہرے : تیرا کیا ہو گا اے گلی تازہ؟
 نجل حسین صاحب کے پاس میرے تقریباً تمام شعری مجموعے
 موجود ہیں۔ نثری کتابیں بھی ان کے زیرِ مطالعہ رہتی ہیں ان سے
 میری ملاقات کب، کہاں اور کن حالات میں ہوئی مجھے کچھ یاد
 نہیں ہے لیکن جب سے میں شعر و ادب کی محفلوں سے کچھ زیادہ وابستہ
 ہو گیا ہوں تب سے میں ان کے نام اور ان کے کام سے واقف ہوں
 نجل حسین صاحب سے ”سازِ بہاراں“ کی تہذیبی و موسیقی پروگرام
 میں بھی ملاقات ہو کر تھی ہے اس پروگرام کو جس کو ممتاز موسیقار
 خواجہ بہاء الدین۔ (ریٹائرڈ سکشن آفیسر سکریٹریٹ) تریف
 دیا کرتے ہیں۔ ”سازِ بہاراں“ کے لئے جناب بہاء الدین نے اختتام
 نغمہ مجھ سے لکھوایا ہے۔

تجمل حسین صاحب اس نغمہ کو بنیاد بنا کر تعریف کیا کرتے ہیں۔ ہم نے
 سکریٹریٹ اردو اسکوی ایشن کے موسیقی کے پیردگرام میں جو رویندرا
 بھارتی تھیٹر میں ہوا تھا تجمل حسین صاحب کو مدعو کیا تھا اپنی صدارتی
 تقریر میں انہوں نے کافی دیر تک میری شاعری پر متصرہ کیا تھا
 ان ابتدائی تقاریب میں ملاقات کے بعد تجمل حسین صاحب سے
 میرے مراسم گہرے ہوتے گئے خاص طور پر راج بھون میں مختلف
 مواقع پر منعقدہ محفلوں میں شرکت سے ان کی قربت اور زیادہ
 ہو گئی۔ وہی انداز مخلصانہ، وہی دل کو چھونے والا طرزِ تخطیب
 وہی خلوص وہی مردت و رواداری۔ کونسا پہلو ایسا ہے جس کی
 خوشبو ان کی ملاقاتوں میں محسوس نہیں کی گئی۔ تجمل حسین صاحب
 کو محبوب حسین جگر صاحب بہت پسند کرتے تھے کئی دفعہ تجھ سے فرمایا
 کرتے کہ تجمل حسین صاحب کی وجہ سے شہر میں بڑے بڑے فنکاروں
 کو اُبھرنے کا موقع مل رہا ہے۔ انہوں نے تفریحی و تہذیبی پروگراموں
 کے انعقاد کے سلسلے میں بیڑی خدمت کی۔ جگر صاحب ان کی خدمات
 سے بے حد متاثر تھے۔ ان سے متعلق جو بھی تقریب شہر میں ہوتی
 اس تقریب کی نیوز سپلاست میں اہمیت کے ساتھ شائع کی جاتی
 تھی اور تصویریں بھی پابندی سے شائع ہوا کرتی تھیں آج
 بھی (جناب زاہد علی خان صاحب کی سرپرستی میں یہ سلسلہ جاری ہے)
 عابد علی خان صاحب اور جگر صاحب کی روایت کو باقی رکھتے ہوئے

زاہد علی خان صاحب نے بھی شہر کی نمائندہ شخصیتوں کے احترام کو
 ملحوظ رکھا ہے۔ نجل حسین صاحب کبھی کبھی شاعرانہ موڈ میں رہ کر
 میری غزلوں کے اشعار فون پر سُنانے ہیں۔ اپنے بچوں کی شادیلوں
 کی دعوتیں ہوں کہ ان کی جانب سے کہیں عشاءِیہ کا اہتمام کیا گیا
 ہو مجھے یاد کیا کرتے ہیں کچھ ہنسیوں پہلے کی بات ہے کہ شہر کے نمائندہ
 شاعروں اور ادیبوں کے لئے اپنے دولت خانے پر عشاءِیہ ترتیب
 دیا تھا اور مجھ سے فون پر کہا کہ میں اپنے شاعر دوستوں کے ساتھ
 عشاءِیہ میں شرکت کروں۔ انہوں نے اس عشاءِیہ کی تاریخ کا تعین
 بھی مجھ سے ہی کروایا۔ عشاءِیہ میں میرے علاوہ رئیس اختر، نانک
 سنگھ، فخر، قاضی انجم عارفی، مومن خان شوق اور بشیر امجد
 حمایت اللہ، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال، محبتی حسین، طالب خوند میر
 اور ذہین و فطین بھرتیلسٹ ایوب علی خان نے بھی شرکت کی
 عشاءِیہ کے بعد تمام مہمانوں کو بھاری بھر کم پھولوں کا ہار پہنائے
 نجل حسین صاحب نے اپنی ادب دوستی کا بھرپور ثبوت دیتے ہوئے
 اپنے چاہنے والوں کا دامن خوشیوں سے بھر دیا۔ تمام شاعروں ادیبوں
 کی جانب سے میں نے ناظر ہمارے شکر کے طور پر ایک تاشرائی تقریر کی۔
 نجل حسین صاحب نے خلوص کی انتہا کر دی۔ میرے گھر پہنچنے کے بعد
 فون کیا اور کہا کہ آپ اور آپ کے شاعر دوستوں نے قدم رنجہ فرما
 کر میرے غریب خانے کی رونق بڑھائی۔ نجل حسین صاحب جیسے

بہتر خلوص لوگ شہر میں بہت کم رہ گئے ہیں۔ نہایت خلیق، بے غرض اور صاف دل انسان ہیں ان کا یہ اصول ہے کہ جو بھی محبت سے ملتا ہے اس کا جواب محبت سے دیا جانا چاہیئے۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ تھل حسین صاحب نے تہذیبی پروگراموں کو زیادہ سے زیادہ پُرکشش بنانے نئے نئے فنکاروں اور گلوکاروں کی ہمت افزائی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے ان کی خدمات جبراً آبادی تہذیبی تارنخ کا ایک اہم حصہ بنی ہوئی ہیں جو فیض رواں کی طرح ہیں جس کا تذکرہ آنے والی نسلیں بڑے فخر کے ساتھ کریں گی۔ تھل حسین صاحب کا شمار بلاشبہ شہر کی نمائندہ شخصیتوں میں ہوتا ہے اور ان کا نام تازہ پھولوں کی خوشبو، سورج کی اچھوتی کرنوں اور چاند کی دھلی ہوئی چاندنی کی طرح ہمارے معاشرہ کا سرتاج بنا رہے گا۔

انجاولوں کی سرزمین سے گزرنے والے لوگوں کے دامن ہمیشہ روشن رہتے ہیں ان کے دل و دماغ معطر فضاؤں سے ہم کنار رہتے ہیں ایسے محوش نصیب لوگوں میں تھل حسین صاحب کا نام روشن رہے گا۔ خدا انھیں صحت و سلامتی کے ساتھ مزید خدمات کا موقع عطا فرمائے۔ میری دلی خواہش ہے کہ تھل حسین صاحب کی خدمات کی خوشبوداران شعردادب اور تہذیبی محفلوں کو تادیر دہکتی رہے۔